جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

۱۹۹۳

مدیر : خرم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ
ترجمان القرآن
مدیر : خرم مراد
جلد ۱۲۰ | فروری ۱۹۹۴ء شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ | عدد ۲

فہرست

برائے ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰، فون نمبر ۷۵۷۰۱۴۴-۸، فیکس (۰۴۲) ۷۵۴۷۱۹۷

برائے انتظامی امور: رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰، فون نمبر ۷۲۲۴۰۱۴-۷۲۳۶۹۹۵

پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۳۳

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ مینیجر ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ کراس چیکس قابل وصول نہ ہوں گے۔

قیمت فی شمارہ -/۱۰ روپے ○ زر سالانہ: ۱۰۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک، خلیجی امارات و برصغیر: ۳۵۰ روپے یورپ: ۳۵۰ روپے امریکہ و آسٹریلیا: ۵۵۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عبد محمد پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر دفتر "ترجمان القرآن" اچھرہ، لاہور سے شائع کیا۔

ادارۂ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اچھرہ لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

دنیا آج اپنی تاریخ کے ایک انتہائی سنگین بحران سے گزر رہی ہے۔ آدم کے بیٹوں نے اسے فساد و خون ریزی اور ظلم و جور سے بھر دیا ہے' ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا عالم ہے۔ اخلاق و قانون کے معروف ضابطے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں' قوموں کے درمیان بھی اور انسانوں کے درمیان بھی۔ معروف اور منکر کا احساس ختم ہو گیا ہے' اس کی تمیز اٹھ گئی ہے' بلکہ منکر' معروف بن گیا ہے اور معروف' منکر۔ کہیں جنگ کے بگل بج رہے ہیں' کہیں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے' کہیں ہوس و انتقام کے ہاتھوں عزت و آبرو کا دامن تار تار ہے۔ پبلک زندگی میں لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانی کا راج ہے' ہوسِ اقتدار اور نااہلی نے انسانوں کی زندگی کو دکھ' مشقت اور یاس سے بھر دیا ہے۔

عام آدمی کی زندگی سکون اور چین سے محروم ہے۔ ایک طرف فقر و غربت کا یہ عالم ہے کہ بیش تر انسان جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں' دوسری طرف پیسے کی اتنی فراوانی ہے کہ کوئی عیش نہیں جو میسر نہ ہو۔ لیکن غریب ہوں یا امیر' سب کی خواہش یہی ہے کہ جو نہیں ہے وہ کسی نہ کسی طرح ملنا چاہیے' اور زیادہ سے زیادہ ملنا چاہیے' اس ہوس نے جہنم کی آگ کو' جو کل عین الیقین سے دیکھی جائے گی' آج ہی ---- دلوں کے اندر' چہروں پر' گھروں اور بازاروں اور ایوانوں میں ---- اس طرح سلگا دیا ہے کہ دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں۔ ارشاد نبویؐ کے مطابق "برباد ہوا درہم کا بندہ' برباد ہوا دینار کا بندہ!" زندگی ایک صحرا بن گئی ہے' جس میں شیطان نے انسان کو بھٹکا دیا ہے' اور وہ حیران و سرگرداں ہے۔

اس سنگین بحران کا سب سے سنگین حصہ اُمّتِ مُسلمہ کے حصہ میں آیا ہے۔ ایک ارب انسانوں پر مشتمل اور ہر قسم کے وسائل سے مالا مال' اس دسترخوان پر دنیا کی قومیں بھوکوں کی

طرح ٹوٹی پڑ رہی ہیں' اور وہ سب کے لیے ایک تر نوالہ بن گئی ہے۔

کشمیر' بوسنیا' فلسطین --- سراپا درد ہوں' حسرت بھری ہے داستان میری۔ ذلت و مسکنت سروں پر مسلّط ہے۔ افتراق و انتشار کی آگ بھڑک رہی ہے۔ غربت' جہالت اور پس ماندگی مقدّر بن گئی ہیں۔ سب کشتی میں چھید کرنے میں مصروف ہیں' اوپر والے بھی اور نیچے والے بھی۔ حکمراں اپنی اور غیروں کی خواہشات کے آگے سجدہ ریز ہیں' اور عام آدمی خوف و حزن کا شکار اور تمناؤں کے سراب میں گم۔

فساد کے اس غلبے کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے' کیسے ہو سکتا ہے؟

اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں کہ یہ دنیا کسی اندھے راجہ کی اندھیر نگری نہیں' نہ تاریخ انسانی پر اندھی بہری قوتوں کی کارفرمائی ہے۔ زمان ہو یا مکان' کائنات ہو یا تاریخ' حکمرانی اسی کی ہے' جو کچھ ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے' اسی کی مشیت و تدبیر سے ہے اور ہو رہا ہے' جو سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے' ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ رحمت اور عدل سے حکم کر رہا ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے اور قائماً بالقسط ہے۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ "کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے' نہ چھوٹی نہ بڑی' جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو' اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو" (یونس ۱۰: ۶۱)۔

اس لیے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا میں جس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے سنّت الٰہی کے مطابق ہو رہا ہے' اور اس میں ظلم کے شائبہ کا بھی امکان نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ "بے شک اللہ (کسی پر) ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا" (النساء ۴: ۴۰)۔

یہ سنّتِ الٰہی کیا ہے؟

جہاں تک فرد انسانی کا تعلق ہے' اس کو دنیا میں نعمت بھی ملتی ہے اور مصیبت بھی۔ لیکن ان کا انحصار اس کے اعمال پر نہیں۔ نہ بڑی سے بڑی دنیوی نعمت کی کوئی قیمت ہے کہ اس کا ملنا بھلائی میں شمار ہو' نہ تکلیف کی کہ وہ اس کے حق میں برائی ہو۔ یہ دونوں بھلائی اور برائی کمانے کے مواقع اور ذرائع ہیں۔ اور یہ فرد پر منحصر ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل سے جس کو چاہے اپنے حق میں ابدی نعمت میں تبدیل کر لے' جس کو چاہے عذاب میں۔ دنیا کا آرام ہو یا تکلیف' گزر جانے والی چیزیں ہیں' باقی رہنے والے صرف ایمان و عمل ہی ہیں۔ اسی لیے دنیا کے ملنے کا کوئی

ایسا حساب اور معلوم ضابطہ بھی نہیں جیسا اعمال کا' کہ رزق بغیر حساب ملتا ہے۔

لیکن اجتماعِ انسانی کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ کوئی فردِ انسانی اس لیے نہیں مرتا' جوان اور بوڑھا نہیں ہوتا' راحت یا مصیبت میں نہیں پڑتا' کہ وہ نیک یا بد ہے۔ نہ اس کو موت کے بعد زندگی واپس مل سکتی ہے نہ بڑھاپے کے بعد جوانی۔ مگر قوموں اور تہذیبوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا ہی قانون بیان فرمایا ہے۔ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مرتی ہیں۔ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ' پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا ' (العنکبوت ۲۹ : ۴۰)۔ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا' اور اس بستی کو ہم نے اس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم میں پڑ گئے' (الکہف ۱۸ : ۵۹)۔ ایک قوم ہلاکت کے کنارے پہنچ کر واپس بھی آسکتی ہے' جیسا قوم یونس کے معاملے میں ہوا۔ وہ موت کے بعد پھر زندہ ہو سکتی ہے' جیسا بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔ فرد کے ایمان و تقویٰ کے ساتھ دنیا کی نعمتیں وابستہ نہیں کی گئیں' لیکن قوموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ "اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے" (الاعراف ۷ : ۹۶)۔ اور اگر تم راہِ استغفار پر گامزن ہو تو "وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا' تمھیں مال اور اولاد سے نوازے گا' تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا" (نوح ۷۱ : ۱۱' ۱۲)۔

اُمّت مُسلمہ کے معاملے میں بھی یہی قانون لاگو ہے۔ اگر جنگل کا سب سے کانٹے دار حصہ اس کا مقدر بنا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس کو اپنے اعمال کے بقدر ہی نہیں' دوسروں کے اعمال میں سے بھی حصہ مل رہا ہے۔ اس لیے کہ یہی تو اس کے لیے ذمہ دار بنائی گئی تھی کہ وہ اس دنیا کو گلزار بنائے۔ اور سب "اپنے" لیے بنتے ہیں اور جیتے ہیں' یہ اُمّت تمام انسانیت کے لیے بنائی گئی تھی؛ (كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)' اس کا جینا اسی مقصد سے وابستہ کیا گیا تھا کہ وہ دین و شریعت اور عقل و فطرت کے نزدیک جانی پہچانی اور مُسلّمہ نیکیوں کی ہدایت کرے اور برائیوں سے روکے' (تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ)' خود ایمان باللہ کی حامل بھی ہو اور دوسروں کے لیے اس کا نمونہ اور گواہ بھی' (تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ)' اور بھلائی کی طرف بلانے والی ہو' (يدعون الى الخير)۔ جب اُمّتِ مُسلمہ ہی اپنے مقصدِ وجود کو فراموش کرکے دوسرے راستوں پر نکل گئی' تو یہ دنیا جنگل بن گئی' اور مشیت الٰہی نے سب سے زیادہ کانٹوں والا جنگل اس امّت کے حصے میں لگا دیا۔

دنیا کا فساد ہو یا اُمّتِ مُسلمہ کے مسائل' ان کا کوئی حل اس کے علاوہ ممکن نہیں کہ اوّل اُمّت یہ جانے کہ اس کا مقصد اور مشن سارے انسانوں کو خیر کی طرف بلانا' اور حق و قسط کو قائم کرکے ان کے سامنے اس پر گواہ بننا ہے۔ دوسرے' وہ یہ جانے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد اور میثاق میں بندھی ہوئی ہے۔ یہی میثاق اس کی تشکیل کی بنیاد ہے' اسی سے وفا پر اس کی بقا اور ترقی کا انحصار ہے' اور آج تک دنیا میں اسے جو کچھ ملا ہے اسی کی وجہ سے ملا ہے۔ وہ خدا کی آخری ہدایت و وحی کی امین ہے' اس کے دین و شریعت کی نعمت سے سرفراز ہے' انسانیت کا ضمیر اور "نفسِ لوّامہ" ہے' اور اس کے دین کی حقیقت احتسابِ کائنات ہے۔ جب وہ ہر نفس خود اپنے عمل کا حساب کرنے لگے گی' تب ہی دستِ قضا میں شمشیر بن کر فسادِ ارضی کا خاتمہ کرسکے گی۔

ہماری اُمّت کی یہ حقیقت اور مقام بالکل واضح ہے۔ اس کا نام اسی کا اعلان ہے۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ' اس نے تمہیں "مسلم" کا نام دیا ہے۔ اُمّتِ مُسلمہ کا نام نسل پر مبنی ہے' نہ رنگ' زبان' علاقہ' دنیاوی اور مادی مفادات' معاشی ترقی کے مقام پر۔ یہ تو ایمان و عمل کا مظہر ہے۔ اللہ کو اپنا ربّ مان لینا' اس کے آگے جھک جانا' صرف اس کا بن جانا' اور اس کی تابعداری کے لیے ہروقت دست بستہ کھڑے رہنا' اس کے علاوہ "مسلمہ" کے کوئی معنی نہیں۔

اس کی تاریخ اور روایات بھی یہی بتا رہی ہیں۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ' اپنے باپ' ابراہیم علیہ السلام کی مِلّت! جہاد اور شہادت حق کی راہ پر گامزن ملت! وہ ملت جو بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑے' گھربار اور وطن ترک کردے' دشت و بیابان میں اپنا گھر بنائے' اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری رکھنے سے دریغ نہ کرے' جب پکارا جائے تو کہے' لبیک (میں حاضر ہوں)۔ قرآن نے سیدنا ابراہیمؑ کے مادی کمالات کی نہیں' عشق و قربانی کی داستان سنائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ اسی کے صلے میں ان کو امامِ عالم بنایا۔

قرآن کی آیات یہی روشنی دے رہی ہیں: تمہیں اُمّت وسط بنایا تاکہ لوگوں کے سامنے گواہ بنو (البقرہ)' اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ لوگوں کے سامنے گواہ بنو (الحج)' رسول' کتاب' اور میزان اس لیے اتارے کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں' اب دیکھیں کون اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کے لیے کھڑا ہوتا ہے (الحدید)' انصاف کے قائم کرنے والے بنو' لوگوں کے سامنے گواہ ہو' صرف اللہ کے لیے (النسا' المائدہ)۔ ان کے ساتھ ہی اس نے عُلوّ و غلبہ' تمکین و حکومت اور اِستخلاف کا وعدہ مشروط فرمایا۔

رسول ہاشمیؐ کا اسوہ اسی حقیقت پر گواہ ہے۔ "اے نبیؐ! ہم نے تمہیں گواہ اور بشارت دینے والا اور آگاہ کرنے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کی اجازت سے اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ کہلوایا گیا کہ "اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، میرے پیچھے پیچھے ہو لو۔" حرا سے اتر کر اس وقت تک جب رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے، ہر دم اور ہر سانس آپؐ کس راہ پر چلتے رہے، کس مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں رہے؟ یہی مشن امت کی حقیقت اور مقام ہے، اسی میں اس کے لیے عزت و سربلندی ہے، اسی میں انسانیت کے لیے آج کے عالمگیر فساد سے نجات کی راہ ہے۔

اس مشن کی تکمیل کا عہد و میثاق ہوا تو امت مسلمہ وجود میں آئی۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدہ ۵:۷)

اور یاد کرو (ہدایت کی) اس نعمت کو جو اللہ نے تمہیں دی ہے، اور (یاد رکھو) اس پختہ عہدوپیمان کو جو اس نے تم سے لیا ہے، یعنی تمہارا یہ عہد کہ "ہم سنیں گے اور مانیں گے۔"

رسول اور کتاب ہدایت کی نعمت کا تقاضا کیا ہے، اور امت سے بحیثیت مجموعی سننے اور ماننے کا میثاق کس چیز کے لیے ہے۔ یہ بھی ساتھ ہی ساتھ بتا دیا گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ ۵ : ۸)

اے ایمان والو، اللہ کی خاطر، راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔

اور بنی اسرائیل کے حوالے سے، ہمارے اس میثاق کو بالکل کھول کر بیان کر دیا:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (المائدہ ۵ : ۱۲)

اور اللہ نے کہا تھا: "میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم رکھی، اور زکوٰۃ دی، اور میرے رسولوں کو مانا، اور ان کی نصرت کی، اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ ہمیں تو یاد نہیں کہ ہم نے کوئی ایسا میثاق کیا ہو۔ لیکن ہر عہد لکھ پڑھ کر اور قول و قرار کر کے نہیں ہوتا۔ جب بچہ گھر میں پیدا ہوتا ہے اور پرورش پاتا ہے، تو ماں باپ کی

اطاعت' ان سے حسن سلوک' اور گھر کی روایات و ضوابط کی پابندی کے عہد میں بندھ جاتا ہے۔ جب آدمی کسی کے دسترخوان پر مسلسل کھاتا ہے تو وفاداری' اور نمک حرامی سے اجتناب کا پابند ہو جاتا ہے۔ جب وہ کسی کی ملازمت شروع کردیتا ہے اور تنخواہ وصول کرلیتا ہے' تو شرائطِ ملازمت پوری کرنے کا عہد کرلیتا ہے۔

یہی معاملہ مسلمان کا ہے۔ بحیثیت انسان کے وہ مسلسل ربّ کائنات کے دسترخوان پر کھا رہا ہے' اور اس سے ہر لحہ اپنی تنخواہ لے رہا ہے۔ وہ اس سے عہد بندگی کا' نمک حلالی کا' پابند ہے۔ بحیثیت مومن کے وہ کلمہ پڑھتا ہے (جو قول و قرار ہے)' قرآن کو کتابِ الٰہی تسلیم کرتا ہے' اس نے اللہ سے ہدایت کا یہ دسترخوان اپنی امانت میں لیا ہے' اس کے آباء و اجداد پر صدیوں اس کی بدولت آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھلے رہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے میثاق کو یاد رکھنے سے پہلے اس کی یہ نعمتیں یاد کرنے کی ہدایت کی' تاکہ دلیل راہ بنیں۔

اس میثاق پر مہر تصدیق اس وقت لگی جب بدر کے میدان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے سامنے گریہ و زاری کرتے ہوئے عرض کیا کہ "اگر یہ مٹھی بھر گروہ ہلاک ہو گیا' تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔" یہ ایک ناز بھری التجا ہی نہ تھی' یہ پوری امت کی طرف سے امام امت' کا عہد و میثاق بھی تھا: اگر تو نے آج اس میدان میں اس مٹھی بھر گروہ کو فتح اور زندگی عطا کی' تو رہتی دنیا تک یہ امت زمین پر تیری بندگی قائم کرنے کی پابند ہوگی۔ بدر کی فتح ہی نے امت مسلمہ کے لیے' اور اس کے ذریعہ انسانیت کے لیے' زندگی اور فتوحات کے دروازے کھول دیے' تاکہ اللہ کی یہ بات پوری ہو کہ "جسے ہلاک ہونا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ ہلاک ہو' اور جسے زندہ رہنا ہے وہ روشن دلیل کے ساتھ زندہ رہے" (الانفال ۸ : ۴۲)۔

عہد کی پابندی پر زمین و آسمان قائم ہیں' پوری انسانی زندگی قائم ہے' خاندان' سیاست اور معیشت قائم ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید بار بار ایفائے عہد کی تاکید کرتا ہے۔ عہد شکنی' اور زبان و دل اور قول و عمل کے تضاد کو نفاق قرار دیتا ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کم ہی ایسا ہوتا کہ حضورؐ تقریر فرماتے ہوں اور یہ نہ کہتے ہوں کہ **لا دین لمن لا عھد لہ ولا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ**' جس کو پاس عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں' اور جس کو پاس امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

جس سورۃ المائدہ میں آیت میثاق درج ہے' جو اس تاکید کے ساتھ شروع ہوئی کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ' اسی میں کھول کر بیان کردیا گیا ہے کہ نقض عہد کیا ہوتا ہے' اور کس انجام تک پہنچاتا ہے۔

بنی اسرائیل ' ہم سے پہلے اُمتِ مُسلمہ تھے۔ ان کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے :

یہ الفاظ کا الٹ پھیر کر کے ' بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں۔ جو تعلیم انھیں دی گئی تھی اس کا بڑا حصہ بھول چکے ہیں۔ آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتا چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں (۵:۱۳)۔

تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں ' اور حرام کے مال کھاتے ہیں۔کیوں ان کے علما اور مشائخ انھیں گناہ پر زبان کھولنے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے ؟ (۵ : ۶۲ - ۶۳)۔

اے اہل کتاب ' تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو ' جب تک توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمھارے ربّ کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہیں (۵ : ۶۸)۔

اے اہل کتاب ' اپنے دین میں ناحق غُلوّ نہ کرو۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داوٗدؑ اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی ' کیونکہ وہ سرکش ہوگئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے ' انھوں نے ایک دوسرے کو بُرے کام کرنے سے روکنا چھوڑ دیا تھا (۵ : ۷۷ - ۷۹)۔

یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا ' جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا ' اور ان کے دل سخت کردیے (۵ : ۱۳)۔

ہم اس آئینے میں اپنی تصویر نہ دیکھ سکیں ' مگر آج خلا سے کوئی ایسی مخلوق زمین پر آئے جو نہ ہماری کتابیں پڑھ سکتی ہو نہ تقریریں سمجھ سکتی ہو ' اور اس کے جاننے کا ذریعہ صرف آنکھیں ہوں ' تو اسے ہماری تصویر دیکھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ واشنگٹن ' لندن ' پیرس ہو یا جکارتا ' کراچی ' ریاض اور قاہرہ ' اسے انسانوں میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ دونوں کے مقاصدِ زندگی ایک ' دونوں کی تگ و دو ایک ' دونوں کے ادارے ایک۔ کوئی فرق نظر آئے گا تو وہ یہ کہ عام انسانی اخلاق کے لحاظ سے اور تہذیب کی ظاہری چمک دمک کے لحاظ سے وہ ہم سے بہت آگے ہیں۔ وہ اگر یہ رائے قائم کرے کہ آج کے مسلمانوں کا طرزِ عمل ظلم و زیادتی کی ' بے ایمانی اور دھوکہ دہی کی ' رشوت اور بدعنوانی کی ' ہوسِ زر اور تنگ دلی و تند خوئی کی تعلیم دیتا ہے ' تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

یہ لعنت اور دل کی سختی نہیں تو کیا ہے کہ بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے ' ظلم و بے رحمی اور غیر انسانی سلوک کے ریکارڈ توڑ رہے ہیں ' ملک و ملّت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں ' ہوسِ

اقتدار اور باہمی ضد و عناد میں وطن کے استحکام' ترقی اور مستقبل کو داؤ پر لگا رہے ہیں' اپنے تخت کی حفاظت کے لیے اپنے ہی جوانوں کو تختہ دار پر کھینچ رہے ہیں' ساتھ ہی وعظ و نصیحت' نماز و قرآن کا سلسلہ بھی جاری ہے' مگر دل نرم نہیں پڑتے' رویوں میں نرمی نہیں آتی' اخلاق و عمل میں تبدیلی نہیں پیدا ہوتی۔

ہم چاہیں کہ اللہ سے اپنے میثاق کی تجدید اور اس کو وفا کرنے کی جستجو و کاوش کے بغیر ہمارے مسائل حل ہو جائیں' ہمیں سیاسی استحکام نصیب ہو' معاشی ترقی حاصل ہو' یگانگت اور اتحاد پیدا ہو' عزت و سربلندی ملے' تو ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔

آج ہماری تمناؤں اور آرزوؤں کی معراج کیا ہے؟ ہم "ان" جیسے بن جائیں' ہمیں ان کا قرب حاصل ہو' ہم ان کی داد و تحسین کے مستحق ٹھہریں' جو ترقی یافتہ اور مہذب کہلاتے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے ہی زمین کو فساد اور ظلم و جور سے بھر دیا ہے' اور انھی کی وجہ سے ہم اپنے مقصد سے محرومی' اپنی ثقافت سے بے گانگی' اور ذلت و نکبت کے امراض میں مبتلا ہیں۔ یا پھر ان کی سطح پر پرواز کے لیے ٹیک آف کا مقام ہی پالیں' "ایشیائی ٹائیگر" کے لقب ہی سے کوئی ہمیں پکار دے۔ "مدینہ" کی صف نہ سہی کوریا اور تائیوان کی صف میں ہمارا شمار ضرور ہو جائے۔

جب ہمارے بقراط و جالینوس ہمارا علاج تجویز کرتے ہیں تو کوئی کہتا ہے کہ بچوں کو پہلی جماعت سے انگریزی پڑھاؤ' کوئی کہتا ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم عام کرو' کوئی کہتا ہے صنعتی پیداوار بڑھاؤ' کوئی کہتا ہے لندن اور پیرس کی طرح بن جاؤ۔ لیکن جو ان ساری چیزوں میں ہم سے کوسوں آگے ہیں' جو ان سارے میدانوں میں امام ہیں اور ترقی کی اعلیٰ ترین منزلیں چھو چکے ہیں' جن کے "چہرے" ایسے روشن ہیں کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں' کیا یہ وہی نہیں ہیں جن کا اندرون چنگیز سے تاریک تر ہے' جو خود انتشار کا شکار ہیں' جہاں بے یقینی و یاس نے اور بدامنی نے اپنے تاریک سائے ڈال دیے ہیں۔

کارخانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد' صاف شفاف سڑکیں' قومی پیداوار میں چند پوائنٹ کا اضافہ' اسٹاک ایکسچینج کا اوپر اٹھنا' فی کس ٹیلیفون لائنوں کا بڑھ جانا' فی کس آمدنی میں اضافہ --- یہ تو وہ کھلونے ہیں جو مغرب کے بالغ نظر استاد نے ہمارے ہاتھوں میں تھما دیے ہیں' تاکہ ہم اپنے اصل مقام سے غافل' ان سے دل بہلاتے رہیں' تاکہ "سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر"

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا ' جس نے
قبض کی روح تری' دے کے تجھے فکر معاش

ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ معاشی ترقی کے بت کی طرف مسابقت کی دوڑ ایک ایسی دوڑ ہے جس میں بالآخر تہذیبی لحاظ ہی سے نہیں' معاشی لحاظ سے بھی' پس ماندہ رہنا ہمارا مقدر ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں' اور یہ غلط فہمی بالکل نہ ہونی چاہیے کہ مسلمان فقر و غربت ہی میں جینے کے لیے پیدا ہوا ہے' اور اسے معاشی ترقی کے لیے کوشش نہیں کرنا چاہیے' یا دنیاوی ترقی مطلوب نہیں' کارخانے اور سڑکیں نہیں بننا چاہئیں۔ نہیں' ہمارا مدعا یہ اور صرف یہ ہے کہ ان کو مقصد زندگی نہ بننا چاہیے۔ جب یہ مقصود بن جاتے ہیں تو "بت" بن جاتے ہیں۔ پھر نہ خدا ملتا ہے نہ وصال صنم۔ پھر ہر جگہ چوری اور بدعنوانی کے سوراخ ہو جاتے ہیں۔ پھر ہر ایک بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے لیے اتر پڑتا ہے۔ پھر ایک اُمّت مُسلمہ کا حشر وہی ہوتا ہے جو بنی اسرائیل کا سامری کے بچھڑے کی پرستش کر کے ہوا۔ پھر اُمّت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

حکمتِ مغرب سے ملّت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

آج سے تقریباً تیس سال قبل' ماہنامہ "چراغ راہ" کے تحریک اسلامی نمبر میں' مستقبل کے سب سے بڑے مسئلے کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ لکھا تھا ہم اسے یہاں دہرا دینا مفید سمجھتے ہیں۔

"قیامِ پاکستان کے بعد ہی سے آہستہ آہستہ' اور مارشل لا لگنے کے بعد بڑی شدّت سے' نہ صرف یہ کہ ہماری قوم کو اس کے اصل اور فطری نصب العین سے مایوس کیا گیا' اور اس سے رشتہ کاٹا گیا' بلکہ بدترین ظلم یہ کیا گیا کہ ایک سوچے سمجھے انداز میں اس کے لیے ایک دوسرے نصب العین کا سنہری دام بچھایا گیا' جو نہ اس کے معتقدات کے مطابق تھا اور نہ اس کے ساتھ اس کی ثقافتی و دینی روایات رواج پا سکتی تھیں۔ یہ نصب العین ہے' "معاشی ترقی" اور "معیارِ زندگی کی بہتری" کا۔ انگریز کی طویل غلامی سے نکل کر یہ مردِ بیمار ابھی اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ ہمارے لیڈروں اور ہمارے نشر و اشاعت کے تمام ذرائع نے اس مقصد کی زہریلی خوراکیں اس کے حلق سے نیچے اتارنا شروع کر دیں۔

"یہ ایک ایسا نصب العین ہے جس کے ساتھ نہ اسلام کا نباہ ہو سکتا ہے نہ اخلاق کا' نہ اس

میں روحانیت کا کوئی سوال باقی رہتا ہے نہ پاکیزگی اور ایثار کا۔ اس نے ہمیں چند جسمانی مظاہر اور چند ٹکڑوں کے عوض اپنی قیمتی متاع بھی فروخت کر ڈالنے پر تیار کردیا۔ اس نے ہمارے نوجوانوں کے عزائم کو پست اور ان کی امنگوں کو سرد کردیا۔ اس نے ہمیں خودغرضی اور نفس پرستی کا درس دیا۔ اس نے ہماری ملی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔ اس نے اس قوم کو جو کبھی لا الٰہ الا اللہ جیسے روحانی مقصد کے لیے دیوانہ وار مصروفِ جدوجہد ہوگئی تھی، محض فیکٹریاں بنانے اور کھیتوں کی پیداوار بڑھانے کے مقاصد کے ساتھ باندھ کر پستی میں دھکیل دیا۔ اس نے معاشی لوٹ کھسوٹ، اخلاقی اباحیت، غلامی، بین الاقوامی گداگری، بے یقینی، احساس کمتری، بے حیائی اور منافقت کے ناپاک رجحانات کو جنم دیا، یا تقویت پہنچائی۔ یہ اس کے زہریلے پھل ہیں، جو آج ہم کھا رہے ہیں اور مستقبل میں بھی کھائیں گے۔ اگر امت مسلمہ کا آئیڈیل یہی ہونا تھا تو رسول اللہؐ کفار قریش کی حکومت، دولت اور حسن کی پیش کش کو کبھی رد نہ فرماتے۔

"دین جس راستے پر لے جانا چاہتا ہے، معاشی انصاف اور خوشحالی اس کے لازمی نشان ہائے منزل ہیں۔ لیکن اگر معاشی ترقی نصب العین بن جائے، تو دونوں کے راستے مخالف سمت میں جاتے ہیں۔ بڑے عیار ہیں وہ لوگ، جو یہ کہہ کر آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں کہ ہم اسلام بھی چاہتے ہیں، اور مادی ترقی بھی۔ حالانکہ ان کی تمام جدوجہد، ان کی پوری زندگی، معاشی ترقی کی دیوی کے لیے خالص ہو کر رہ گئی ہے۔

"تحریک اسلامی کیونکہ اسلامی مقاصد اور آخرت کے نصب العین کی دعوت کو لے کر کام کررہی ہے، اس لیے اسے مستقبل میں باطل کے اس خطرناک اوتار کے خلاف جہاد اکبر کرنا ہوگا۔ اسے ایک طرف اس نصب العین کی ان جڑوں کو کھودنا ہوگا جو آہستہ آہستہ ہمارے جسم کے اندر پھیلتی چلی جارہی ہیں۔ دوسری طرف ملک کے نوجوانوں کو اس بات کا یقین دلانا ہوگا کہ اگر دونوں مقاصد کا نعرہ لگایا تو اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹنا تو یقینی ہے ہی، لیکن باوجود تمام قوتیں لگا دینے کے، مادی خوشحالی کی چڑیا بھی ہاتھ نہ آئے گی۔ اس حقیقت پر ہماری پوری تاریخ شاہد ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم نے دعوتِ اسلامی کے لیے اپنی جدوجہد کو خالص کر لیا تو خوشحالی اور مادی ترقی بھی لازمی ہے اور آخرت کی بھلائی بھی:

> اگر وہ تورات اور انجیل اور وحی الٰہی کو قائم کرتے تو ان کے اوپر سے بھی رزق برستا اور پیروں کے نیچے بھی ابلتا جسے وہ کھاتے (المائدہ ۵: ۶۶)۔

"یہ آئندہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ یہ کرنے کا سب سے بڑا کام ہے۔ اور موجودہ

تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے اس کام کو کرنا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راستے پر سفر کرنے کے مترادف ہے۔" (بحوالہ: مسائل و افکار، ص ۱۴ - ۱۶)۔

آج امت کے لیے عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، انسانیت کی نجات بھی اسی میں ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس پکار پر کان دھرے اور لبیک کہے:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو، جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔...
اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھی لوگوں تک محدود نہ رہے گی، جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو۔...
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، نہ اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو (الانفال ۸: ۲۴ - ۲۷)۔

شکر ہے کہ آج امت میں اللہ اور رسولؐ کی پکار ہر طرف سے اٹھ رہی ہے۔ مرد، عورت، بوڑھے، نوجوان، بچے سب اس پر لبیک کہہ رہے ہیں۔ اسلامی تحریکات نے جدوجہد کا دیا جلا دیا ہے۔ ابھی اس کو چراغ اور آفتاب بنتے وقت لگے گا، اس راہ میں سنگ ہائے گراں حائل ہیں، لیکن اس پر لبیک کہنا ہی زندگی اور ترقی کا ضامن ہے۔ یہ ہر مسلمان کا کام ہے کہ وہ اپنے عمل کا حساب کرے اور دیکھے کہ وہ اپنے عہد و امانت کی پاس داری کے لیے کیا کر رہا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کے بے انتہا شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اس رسالہ کے ذریعے اپنے پیغام کی ترجمانی کی توفیق بخشی اور ہماری بری بھلی کوششوں کو اس لائق بنایا کہ اللہ کے نیک بندوں میں اسے قبولیت حاصل ہو۔ اس کے نزدیک قبولیت ہی ہماری مساعی اور تمناؤں کا منتہیٰ ہونا چاہیے۔ ہم پڑھنے والوں کی طرف سے نقد و نظر اور مشوروں کے لیے بہت شکر گزار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے گا۔

پرچہ اہتمام سے حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔ بھول چوک یا ڈاک کے نظام کی وجہ سے اگر کسی کو ۳ تاریخ تک موصول نہ ہو تو فوراً انتظامی امور کے پتے پر متوجہ کریں۔ آپ کی شکایت کا ازالہ کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

مجاہدۂ نفس

شخصی اوصاف میں پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اسے مسلمان اور خدا کا مطیع فرمان بنائے۔ یہ وہی بات ہے جسے حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

"المجاہد من جاہد نفسہ فی طاعۃ اللہ"

حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے کشمکش کرے

یعنی قبل اس کے کہ آپ باہر کی دنیا میں خدا کے باغیوں سے مقابلہ کے لیے نکلیں۔ اس باغی کو مطیع بنایئے جو خود آپ کے اندر موجود ہے' اور خدا کے قانون اور اس کی رضا کے خلاف چلنے کے لیے ہر وقت تقاضا کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ باغی آپ کے اندر پل رہا ہے' اور آپ پر اتنا قابو یافتہ ہے کہ آپ سے رضائے الٰہی کے خلاف اپنے مطالبے منوا سکتا ہے تو یہ ایک بالکل بے معنی بات ہے کہ آپ بیرونی باغیوں کے خلاف اعلان جنگ کریں۔ یہ تو بالکل وہی بات ہوئی کہ گھر میں شراب کی بوتل پڑی ہے اور باہر شرابیوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ تضاد ہماری تحریک کے لیے تباہ کن ہے پہلے خود خدا کے آگے سر جھکایئے پھر دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کیجیے۔

(ایک بندۂ خدا)

(عطیہ اشتہار)

- ۶۰ سال پہلے -

حریت ِضمیر اور آزادیٔ تحریر و تقریر کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ان معاملات میں بھی ہر قسم کے خیالات نہ صرف خود رکھنے بلکہ ان کو پھیلا دینے کی بھی آزادی رکھتا ہے' جن پر اسلامی سوسائٹی اور مسلمان قوم کے اجتماعی نظام کی بنیاد قائم ہے۔ حالانکہ ایسی غیر مقید اور غیر مشروط آزادی انسان کو کبھی' اور کہیں نہیں دی گئی ہے۔ . . . فرانس اور انگلستان میں اگر آپ موجود الوقت اجتماعی سیاسی اور معاشی نظام کے خلاف انقلاب انگیز تبلیغ شروع کریں گے تو قانون اپنی پوری قوت آپ کی اس آزادی کو سلب کرنے میں صرف کر دے گا۔ اس کے باوجود کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ غیر مہذب ہیں' متعصب ہیں' تاریک خیال ہیں۔ لیکن امت میں روشن خیالی کے مدّعی اپنا حق سمجھتے ہیں کہ اسلامی سوسائٹی میں رہ کر اسلام کے اصولی مسائل میں جس طرح چاہیں قطع و برید کریں' ایمانیات پر ضرب لگائیں' اعمال پر حملے کریں' قوانین اسلامی میں ترمیم و تنسیخ کریں' اور اگر کوئی اس پر ٹوکے تو ان کے نزدیک وہ تنگ خیال' کٹھ ملاّ ہے' کیونکہ وہ حریت ِضمیر اور آزادیِ تحریر و تقریر کا حق ان سے سلب کرنا چاہتا ہے۔

جو حضرات اسلام کی تعلیمات اور اس کے قوانین پر مجتہدانہ شان کے ساتھ کلام کرتے ہیں' ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ علومِ اسلامیہ کے مبادی تک سے ناواقف ہیں۔ ان کی تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن مسائل پر وہ قلم اٹھاتے ہیں' انھیں وہ سرے سے سمجھے ہی نہیں' نہ کافی غور و خوض کی زحمت اٹھائی ہے' نہ تحقیق اور مطالعہ کیا ہے' نہ ان علوم کو حاصل کیا ہے جن کی واقفیت پر ان مسائل کا سمجھنا موقوف ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنا حق سمجھتے ہیں کہ مسندِ اجتہاد پر جلوہ فرمائیں' اصول و قوانینِ اسلام میں جیسی چاہیں ترمیم و تنسیخ کریں' اور پھر اپنے اجتہادات کو عام مسلمانوں میں شائع کرکے ان کے عقائد اور اعمال کی تخریب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ وہ دنیا کے کسی دوسرے معاملہ میں کافی علم اور تحقیق کے بغیر زبان کھولنے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتے۔ . . . لیکن اِسلام کے معاملہ میں وہ پوری جُرأت رکھتے ہیں کہ اس کے

ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی جس مسئلے میں چاہیں مجتہدانہ کلام فرمائیں۔

...

بلاشبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دل سے مسلمان ہیں اور اسلام پر سچا اعتقاد رکھتے ہیں مگر بعض مسائل میں ان کو شکوک عارض ہو گئے ہیں' یا بعض اُمور میں ان کا دل اس اعتقاد اور اس مسلک پر نہیں ٹھکتا' جو جمہور اہل اسلام کا اعتقاد اور مسلک ہے۔ ایسے حضرات یقیناً حق رکھتے ہیں کہ اپنے شکوک اور اعتراضات پیش کریں' اور ہمارا فرض ہے کہ ان کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قسم کے لوگ عموماً نہایت غلط طریقے اختیار کرتے ہیں۔ وہ... خود مجتہد بن کر ایک فیصلہ کن رائے قائم کر لیتے ہیں' پھر اس پر فاضلانہ انداز کے ساتھ ایک مضمون تحریر فرماتے ہیں' جس کی ابتدا "مولوی" پر سبّ و شتم اور انتہا اپنے اعلان اجتہاد و تفقہ پر ہوتی ہے۔ یہ مضمون کسی ادبی رسالے میں بھیج دیا جاتا ہے' اور وہاں بغیر اس احساس کے کہ ایسی تحریروں کی اشاعت کا ملّت پر کیا اثر پڑے گا' نہ صرف اس کو شائع کر دیا جاتا ہے' بلکہ خود ایڈیٹر صاحب بھی اس پر اپنے خیالات ظاہر فرماتے ہیں۔ اس طرح یہ زہر ہزاروں مسلمانوں کے دل و دماغ تک پہنچا دینے کے بعد "مولوی" کو دعوت دی جاتی ہے کہ اگر تیرے پاس اس کا تریاق ہے تو آ' اور اس کا کچھ علاج کر...

ایک گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جن کا مقصد محض فتنہ پردازی ہے۔ وہ مذہبی مسائل پر محض اس نیت سے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات میں قطع و برید کریں اور مسلمانوں میں بے دینی پھیلائیں۔ کم علم اور ناواقف مسلمانوں کا جو گروہ ان کے دام میں پھنس جاتا ہے' اس کی جہالت سے وہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔... مخالف کے دلائل اپنے فریب خوردہ حلقے میں پیش کرنے کی جرات ان میں نہیں ہے' کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان دلائل کے پہنچ جانے کے بعد وہ اس حلقے میں اپنے کمالِ تحقیق اور شانِ اجتہاد کے ڈنکے نہ بجا سکیں گے۔

(سیّد ابوالاعلیٰ مودودی' اشارات' جلد ۴' عدد ۱)

فہمِ قرآن

رسولؐ کا مقام

مرتبہ : ڈاکٹر احسان الحق

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ○
(الحجرات ۴۹ : ۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو' اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

الجامع لاحکام القرآن : محمد بن احمد قرطبیؒ

۱۔ اہل عرب (صحرائی بودوباش کے باعث) درشت طبیعت اور اکھڑ مزاج تھے۔ لہٰذا وہ عام لوگوں کو مخاطب کرنے اور سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے میں سوء ادب کے مرتکب ہوتے تھے۔ لہٰذا اس سورہ میں اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور ادب ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لَا تُقَدِّمُوْا کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے کسی قول و فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل پر مقدّم نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے تجاوز اور پیش قدمی' اللہ کے حکم سے تجاوز اور پیش قدمی کے مترادف ہے۔

۲۔ اس آیت کی شانِ نزول میں متعدد روایات ہیں :

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ انھیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بتایا کہ جب بنو تمیم کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ قعقاع بن معبد کو امیر بنایا جائے۔ جب کہ حضرت عمرؓ نے اقرع بن حابس کے لیے رائے دی۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا : ما اردت الا خلافی' آپ نے تو صرف میری مخالفت چاہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا آپ کی مخالفت کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ بحث و تکرار بڑھی' یہاں تک کہ دونوں کی آواز بلند ہو گئی' جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳ - ماوردی نے ضحاک سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے چوبیس افراد پر مشتمل ایک سریہ بنو عامر کی طرف بھیجا۔ بنو عامر نے تین کے سوا سب کو قتل کر دیا۔ یہ افراد جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے انھیں بنو سلیم کے دو افراد ملے۔ کیونکہ بنو سلیم کا بنو عامر سے تعلق تھا' چنانچہ انھوں نے ان کو قتل کر دیا (جب کہ مسلمانوں کا بنو سلیم سے امن کا معاہدہ تھا)۔ پھر جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور صورت حال بیان کی تو آپؐ نے فرمایا: تم نے بہت 'برا کیا' وہ بنو سلیم سے تھے جن کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے۔ پھر آپؐ نے ان دونوں کی دیت ادا کی --- تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو سے روکا گیا۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں کسی معاملہ میں اپنی طرف سے فتویٰ صادر نہ کرو' جب تک اللہ اور اس کا رسول ازخود اس معاملہ میں فیصلہ نہ دے دیں۔ امام بخاریؒ کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی جنھوں نے عیدالاضحیٰ کو دوگانہ عید ادا کرنے سے پہلے قربانی کر دی تھی' تو آپؐ نے انھیں دوبارہ قربانی کا حکم دیا --- یہ سب روایات صحیح ہو سکتی ہیں اور آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ مگر آیت ان اسباب کے بغیر نازل ہوئی تو بھی درست ہے۔ کیونکہ وہ اپنے حکم میں کسی خاص واقعہ کی محتاج نہیں ہے (ج ۱۵' ص ۳۰۰ - ۳۰۲)۔

رُوح المعانی: محمود آلوسیؒ

مفسرین کے نزدیک یہ آیت عام ہے' اور اس سے مراد ہر قول میں رسولؐ سے سبقت لے جانے کی نہی ہے' یعنی'

۱ - جب آپؐ کی مجلس میں ہوں تو کسی استفسار میں آپؐ سے پہلے جواب دینے میں سبقت نہ کی جائے۔

۲ - آپؐ کی مجلس میں ضرورت پڑنے پر ہی حاضری دی جائے۔

۳ - کھانا شروع کرتے وقت آپؐ کا انتظار کیا جائے اور جلدی نہ کی جائے۔

۴ - ہر معاملہ میں آپؐ کی کامل پیروی کی جائے (ج ۲۶' ص ۱۳۱)۔

مفاتیح الغیب : امام فخرالدین رازیؒ

سابقہ سورۃ الفتح کی مناسبت سے اس سورہ کا آغاز اپنے اندر حسن ترتیب کا اعجاز لیے ہوئے ہے۔ سابقہ سورہ میں سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے ارشاد کیا گیا کہ یہ وہ رسول ہیں جو دین کو غالب کرنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں' جو اہلِ ایمان کے لیے نہایت رحم کرنے والے واقع ہوئے ہیں' لہٰذا ایسی ہستی حد درجہ احترام کی مستحق ہے۔ سابقہ کتُب سماویہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کا اور ان پر ایمان لانے والوں کا ذکر کرنا' ان کی عظمت اور بلندیِ مرتبہ پر دلالت کرتا ہے۔ ایک عظیم بادشاہ کسی ذات کی خوبیوں کا ذکر اسی وقت کرتا ہے' جب وہ واقعی اس کے ہاں محترم ہو۔ لہٰذا اس آیت میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی خود خالقِ دو جہاں کی بارگاہ میں محترم ہے' لہٰذا تم کوئی ایسا عمل یا ایسی حرکت نہ کرنا جس سے اس احترام کو ٹھیس پہنچے' اور تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں۔

اس آیت کے سببِ نزول میں متعدد روایات ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ شک کے روزے' بعض کے نزدیک نماز عید سے قبل قربانی' اور بعض کے نزدیک ایک گروہ کے کثرتِ سوال کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک اِرشادِ عام ہے جس کا اِطلاق ہر نفی واثبات' ہر پیش قدمی و ہٹ دھرمی پر ہوتا ہے' جو کسی معاملہ میں مشاورت کے بغیر اختیار کی جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں متعدد نِکات قابلِ توجہ ہیں۔

۱۔ اس آیت میں مفعول کو حذف کیا گیا (کہ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے نہ بڑھو۔ چیز مذکور نہیں ہے)۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ فلاں تو بہت دینے والا ہے اور فلاں روک کر رکھنے والا ہے۔ اس سے مراد کوئی معین چیز نہیں ہوتی بلکہ محض صفت عطا اور بُخل کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت مذکورہ میں مراد یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت میں کسی بھی قسم کی پیش قدمی مت کرو۔

۲۔ لَا تُقَدِّمُوْا کو (ایک قرات کے مطابق) لَا تَقَدَّمُوْا پڑھنے سے مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے آپ کو بارگاہ رسالت میں مُقدّم مت ٹھہراؤ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے : فلان تقدم من الناس کہ فلاں شخص لوگوں میں آگے بڑھ گیا۔ یعنی وہ نمایاں ہو گیا۔ اور اس کا مقام اونچا ہو گیا لہٰذا بارگاہِ نبوی میں اپنے آپ کو نمایاں کرنا اور اپنی رائے کو مُقدّم ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔

۳ - بین یدی (حضورؐ کے سامنے) کے الفاظ قائل کی رفعت شان کو نمایاں کرتے ہیں کہ حکم دینے والا اور جس کے لیے حکم دیا جا رہا ہے' کتنے عظیم المرتبہ ہیں' جب کہ مخاطب ایک فرماں بردار غلام ہے' جو آقا کی مجلس میں نظر نہیں اٹھا سکتا' اپنے ہاتھوں اور سر کو جنبش نہیں دے سکتا' جو اپنے اعضا و جوارح پر قدرت کے باوجود اپنے آپ کو اپنے مالک کے سپرد کیے ہوئے ہے' کہ وہ جو سلوک چاہے اس کے ساتھ روا رکھے۔ ایسا غلام اپنے آقا کے حکم سے تجاوز اور پیش قدمی کیسے کر سکتا ہے؟

۴ - واتقوا اللہ ارشاد فرما کر واضح کیا گیا کہ بارگاہِ الٰہی و بارگاہِ نبوت میں اطاعت و انقیاد اور سپردگی کی یہ کیفیت تقویٰ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ وہ جو (بین یدی کے تقاضا کے تحت) گرے پڑے سامان کی طرح اپنے آپ کو بارگاہِ الٰہی میں ڈال دے وہ تقویٰ کی اس کیفیت سے ہمیشہ اپنے آپ کو سرشار رکھے۔

۵ - اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ○ ارشاد فرما کر گزشتہ مضمون کی تاکید فرمائی گئی۔ وہ اللہ جو تمھیں تمھارے ایمان کے حوالہ سے پکارتا ہے' وہ تمھارے اقوال و افعال اور دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تمھارے قول و فعل اور ضمیر کی آواز میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ تمھاری سماعتیں آمَنَّا وَسَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا سے گونجتی رہنی چاہئیں' اور تمھارے اعمال' احکام رسول کی کامل اطاعت کے آئینہ دار ہوں۔ تمھارا نہاں خانہ ایک ہی جذبہ سے مملو ہو اور وہ تقویٰ ہو"۔ (الجزء السابع' ص ۵۸۱ - ۵۸۲)۔

تفسیر المراغی : احمد مصطفیٰ المراغیؒ

اس آیت کی تفسیر اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبیؐ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے تو آپؐ نے ان سے پوچھا "تم کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟" انھوں نے عرض کیا "کتاب اللہ کے مطابق"۔ آپؐ نے پوچھا "اگر اللہ کی کتاب میں کسی معاملہ کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کرو گے؟" انھوں نے کہا "سنتِ رسول اللہ کی طرف"۔ آپؐ نے فرمایا "اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے؟" انھوں نے عرض کیا "پھر میں خود اجتہاد کروں گا۔" اس پر حضورؐ نے ان کی سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی جو اس کے رسول کو پسند ہے" (رواہ احمد' ابوداؤد' ترمذی)۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی رائے اور اجتہاد کو کتاب و سنت سے موخر رکھا۔ اگر وہ اپنی رائے کو مُقدّم ٹھہراتے تو اس آیت کی رو سے اللہ اور اس کے رسولؐ سے پیش قدمی کرنے والے ٹھہرتے (ج ۲۵ - ۲۷، ص ۱۲۱)۔

معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ

ان آیات کے نزول کے متعلق روایاتِ حدیث میں بقول قرطبی چھ واقعات منقول ہیں۔ قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے فرمایا کہ سب واقعات صحیح ہیں کیونکہ وہ سب واقعات مفہومِ آیات کے عموم میں داخل ہیں۔

بَیْنَ الْیَدَیْنِ کے اصل معنی دو ہاتھوں کے درمیان کے ہیں، مراد اس سے سامنے کی جہت ہے۔ یعنی رسول اللہؐ کے سامنے تقدم اور پیش قدمی نہ کرو۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر آپؐ چل رہے ہیں تو کوئی آپؐ سے آگے نہ بڑھے، کھانے کی مجلس ہے تو آپؐ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے، مگر یہ کہ آپؐ کی تصریح یا قرائن قویّہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپؐ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں، جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔

(معارف القرآن، ج ۸، ص ۱۰۰)

تدبر قرآن: امین احسن اصلاحی

یہ امر واضح رہے کہ یہاں ممانعت اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے میں پہل کرنے یا اپنی رائے کو اللہ اور رسول کے حکم پر مقدم کرنے کی ہے، نہ کہ رسول کے سامنے مجرد اپنی کوئی رائے پیش کرنے کی۔ نبیؐ امورِ مصلحت میں صحابہؓ سے ان کی رائیں معلوم بھی فرماتے، اور صحابہؓ اپنی رائے پیش بھی کرتے۔ اسی طرح صحابہؓ بعض اوقات عام امورِ مصلحت میں نبیؐ کے سامنے یہ بھی عرض کرتے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں اقدام وحیِ الٰہی پر مبنی نہ ہو تو اس کی جگہ فلاں تدبیر زیادہ قرینِ مصلحت رہے گی، اور حضورؐ بعض اوقات ان کی رائیں قبول بھی فرما لیتے۔ اس آیت میں اس طرح کی باتوں کی نہی، نہیں ہے۔ حضورؐ نے خود اپنے طرزِ عمل سے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ سب سے زیادہ لوگوں سے مشورہ لینے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی، جیسا کہ آیت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آلِ عمران ۱۵۹:) سے واضح ہے، آپؐ کو لوگوں سے مشورہ کرتے رہنے کی ہدایت فرمائی گئی تھی۔

یہاں ممانعت اسی بات کی ہے . . . کہ کوئی شخص اللہ کے رسول کو عام آدمی یا مجرد ایک لیڈر سمجھ کر' اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مدبر خیال کر کے' بغیر اس کے کہ حضورؐ اس سے کسی معاملہ میں اس کی رائے دریافت کریں' حضورؐ کو اپنی رائے سے متاثر کرنے اور اپنی رائے کو حضورؐ کی بات پر مقدم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کا روّیہ دلیل ہے کہ وہ رسول کے اصلی مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے۔ اللہ کا رسول' اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے' اور وہ جو کچھ کہتا یا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تحت کرتا یا کہتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنے کی جسارت کرتا ہے' تو دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر مقدم کرنا چاہتا ہے' درآنحالیکہ یہ چیز اس کے تمام ایمان و عمل کو ڈھا دینے والی ہے اگرچہ اس کو اس کا شعور نہ ہو۔

بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ و رسول کا معاملہ الگ الگ نہیں ہے۔ اللہ کا رسول' اللہ کا سفیر و نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کو بن پوچھے مشورہ دینا خود اللہ تعالیٰ کو مشورہ دینا ہے' اس کی بات پر اپنی بات کو مقدّم کرنا اللہ کی بات پر اپنی بات کو مقدم کرنا ہے' اور اس سے بڑھ کر اپنے کو مدبر سمجھنا خود خدائے علیم و حکیم سے بڑھ کر اپنے کو مدبر و حکیم سمجھنا ہے۔ یہ آدمی کے اس روّیہ کے لازمی نتائج ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو اس کی بلادت کے سبب سے ان نتائج کا احساس نہ ہو لیکن ان کے لازمی نتائج ہونے سے انکار ناممکن ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ'' یہ ان لوگوں کو تنبیہہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ اور رسول سے زیادہ دانش مند اور مدبر ہونے کے خبط میں مبتلا نہ ہو۔ اللہ سمیع و علیم ہے۔ وہ تمہاری ساری باتوں کو سن بھی رہا ہے اور ان کے پیچھے جو محرکات کام کررہے ہیں ان سے بھی اچھی طرح واقف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے تو اس کا مکافاتِ عمل کا قانون لازماً ظہور میں آئے گا۔ . .

اس آیت میں ہمارے زمانے کے ان لوگوں کو بھی تنبیہہ ہے جو اسلام کی خدمت کے دعوے کے ساتھ اس کے اقدار کو مسخ اور اس کے قوانین کی تحریف کررہے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ اللہ اور رسول نے جس شکل میں اسلام دیا ہے اس شکل میں وہ اس دَور میں نہیں چل سکتا۔ ضروری ہے کہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق اس کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ وہ شریعت کے احکام میں اپنی رائے کے مطابق ترمیم کررہے ہیں۔ بس یہ فرق ہے کہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پہلے ہی سے سبقت کرکے چاہتے تھے کہ اللہ و رسول کے آگے اپنے مشورے پیش کردیں'

اس زمانے کے مدعیان اسلام کو یہ موقع نہ مل سکا' اس وجہ سے وہ اب ان غلطیوں کی اصلاح کررہے ہیں جو ان کے نزدیک اللہ و رسول سے "العیاذ باللہ" دین کے معاملے میں ہو گئی ہیں۔

(تدبر قرآن' ج ۷' ص ۲۸۶ – ۲۸۸)

تفہیم القرآن: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

یہ ایمان کا اوّلین اور بنیادی تقاضا ہے۔ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول کو اپنا ہادی و رہبر مانتا ہو' وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور رسول کے فیصلہ پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے اور ان کے فیصلے بطور خود کر ڈالے۔ بغیر اس کے کہ اسے یہ معلوم کرنے کی فکر ہو کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان معاملات میں کوئی ہدایت دی ہے یا نہیں ' اور دی ہے تو وہ کیا ہے ؟ ---- یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ ان کے جملہ اجتماعی معاملات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ اسلامی آئین کی بنیادی دفعہ ہے۔ جس کی پابندی سے نہ مسلمانوں کی حکومت آزاد ہو سکتی ہے' نہ ان کی عدالت اور نہ پارلیمنٹ ---- اپنے اجتہاد پر کتاب اللہ و سنتِ رسولؐ کو مقدم رکھنا اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے ان کی طرف رجوع کرنا ہی وہ چیز ہے جو ایک مسلمان جج اور ایک غیر مسلم جج کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ اسی طرح قانون سازی کے معاملہ میں یہ بات قطعی طور پر متفق علیہ ہے کہ اولین ماخذِ قانون خدا کی کتاب ہے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔ پوری امت کا اجماع تک ان دونوں کے خلاف یا ان سے آزاد نہیں ہو سکتا' کجا کہ افرادِ اُمت کا قیاس و اِجتہاد۔

(تفہیم القرآن' ج ۵' ص ۷۰ – ۷۱)

فہمِ حدیث

کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

○

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اس کا مقام (قدرومنزلت) کیا ہے' وہ یہ دیکھے کہ اللہ کا مقام اس کے نزدیک کیا ہے۔ (حاکم، صححہ، تخریج الاحیاء)

یہ ترازو دل میں' آنکھوں کے سامنے' آویزاں کر لیجیے۔ دیکھتے جائیے! آپ کے دل میں اللہ کا کیا مقام ہے' آپ کے وقت میں اس کا کیا حصہ ہے' آپ کے مال میں اس کے لیے کتنا ہے' آپ کی توجہ اور یاد کس قدر اس کے لیے ہے؟ آپ کو معلوم ہوتا جائے گا کہ آپ کا مقام اس کے ہاں کیا ہے۔

○

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اور کتنے ہی راتوں کے نماز پڑھنے والے ہیں جن کو اپنی نمازوں سے رتجگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا (الدارمی)۔

عبادت کا ظاہر بہت ضروری ہے۔ اللہ کی خاطر بھوکا پیاسا رہنا' اس کو مطلوب ہے۔ لیکن عبادت کی ظاہری شکل کے ساتھ اس کی روح اور مقصد کی جستجو بھی مطلوب ہے' وہی اللہ کے ہاں مقبولیت عطا کرتی ہے۔ زبان کے روزہ' نگاہ کے روزہ' کان کے روزہ کی فکر کرنا بھی ضروری ہے۔

○

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی آکر آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے' اور عرض کیا: میرے چند غلام ہیں' جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں' میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں' اور میری

نافرمانی کرتے ہیں۔ میں بھی انھیں مار لیتا ہوں اور بُرا بھلا کہتا ہوں۔ ان کے اور میرے اس معاملہ کا کیا بنے گا؟

رسولؐ اللہ نے ان سے کہا: اتنی سزا دو جتنی وہ تمہارے ساتھ خیانت کریں' تمہاری نافرمانی کریں' اور تم سے جھوٹ بولیں۔ اگر تمہاری سزا ان کے گناہوں سے کم ہوئی تو' تمہارا حق باقی رہے گا۔ لیکن اگر تمہاری سزا ان کی زیادتیوں سے بڑھ گئی' تو تم سے ان کے ساتھ اس زیادتی کا قصاص لیا جائے گا'جو تم نے کی ہوگی۔

وہ صاحب یہ سنتے ہی رسولؐ اللہ کے سامنے ہی رونے اور چیخنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: ان کو کیا ہوگیا؟ یہ اللہ کی کتاب نہیں پڑھتے! ---- "قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو رکھ دیں گے' پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں" (الانبیا ۲۱: ۴۷)۔

ان صاحب نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ' پھر تو میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں دیکھتا کہ اپنے غلاموں سے جدا ہو جاؤں۔ آپؐ گواہ رہیے' یہ سب آزاد ہیں (الفتح الربانی الترتیب مسند احمد)۔

انسانوں کے حقوق کا معاملہ بہت نازک ہے۔ ہر انسان کی جان' مال اور عزت' آپ پر حرام ہے۔ جو معاملہ کریں' جو لفظ بولیں' بڑی احتیاط سے۔ محفوظ راستہ ہے خاموشی' اور کوئی ایذا نہ پہنچانا۔

○

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ آپؐ یکایک ہنس پڑے یہاں تک کہ آپؐ کے سامنے کے دانت نظر آنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان' آپؐ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ میری اُمت کے دو آدمی ربّ العزت کے سامنے دو زانو بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: میرے ربّ' میرے بھائی سے میرا حق دلوایئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو! اس کے پاس تو اب کوئی نیکی باقی نہیں بچی۔

وہ شخص بولا: میرے رب' اگر اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہی' تو وہ میرے گناہوں کا بوجھ اٹھائے۔

(یہ کہتے ہوئے) رسول اللہؐ رونے لگے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور فرمایا: وہ دن بڑا ہی سخت ہو گا! لوگ اس کے بھی محتاج ہوں گے کہ کسی طرح ان کے گناہ ہی ہٹا لیے جائیں۔ پھر فرمایا:

اللہ تعالٰی نے مانگنے والے سے کہا: ذرا اپنی نگاہ اوپر اٹھاؤ' اور دیکھو۔

اس نے اوپر دیکھا' تو بولا: سونے کے شہر ہیں! اور سونے کے محل ہیں! موتیوں سے مرصّع ہیں! یہ کس نبی کے لیے ہیں؟ کس صدیق کے لیے ہیں؟ کس شہید کے لیے ہیں؟

اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو اس کی قیمت دے (اس کے لیے)۔

وہ بولا: میرے رب' اس کی قیمت بھلا کون دے سکتا ہے!

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تُو دے سکتا ہے۔

اس نے پوچھا: کیسے؟

فرمایا: اپنے بھائی کو معاف کر کے۔

وہ بولا: میرے ربؐ' میں نے اس کو معاف کر دیا۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے' اور اسے جنت میں لے جا۔

پھر اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو' اپنے درمیان صلح صفائی رکھو کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کے درمیان صلح صفائی کراتا ہے (الحاکم' البیہقی)۔

٭ انسانوں کے حقوق کی ادائیگی قیامت کے دن نیک اعمال کی کرنسی ہی سے ہو سکتی ہے۔ لیکن غلطیاں انسان ہی سے ہوتی ہیں۔ اس لیے جہاں عفو و درگزر نہ ہو' کسی کے لیے بھی نجات نہیں۔ اسی لیے عفو و درگزر کی اتنی حسین و پرکشش ترغیب دی گئی ہے۔ زمین و آسمان کی طرح وسیع جنت ان کے لیے ہے جن کے دل اتنے ہی وسیع ہوں' اور وہ انسانوں کو معاف کرنے والے ہوں۔

○

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگو' اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تمہاری عورتیں حدود سے باہر نکل پڑیں گی' تمہارے نوجوان نافرمان ہو جائیں گے' اور تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو گے۔

صحابہؓ نے کہا' اے اللہ کے رسولؐ' کیا واقعی ایسا بھی ہو گا؟

آپؐ نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' عنقریب اس سے بھی بڑھ کر ہو گا۔

صحابہؓ نے کہا' اس سے بڑھ کر کیا ہو گا؟

آپؐ نے فرمایا' اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھو گے!

صحابہؓ نے کہا' اے اللہ کے رسولؐ کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟

(پھر فرمایا)' قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس سے بھی کہیں زیادہ ہو گا۔

صحابہؓ نے کہا' اے اللہ کے رسولؐ' اس سے زیادہ اور کیا ہو گا؟

آپؐ نے فرمایا' تمہارا کیا حال ہو گا جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھنے لگو گے۔

صحابہؓ نے کہا' اے اللہ کے رسولؐ' کیا وہ دن بھی آنے والا ہے؟

آپؐ نے فرمایا' ہاں' اللہ تعالیٰ کہتا ہے' میری ذات کی قسم (جب ایسی صورت حال ہو جائے گی تو) میں ان کے لیے ایسا فتنہ برپا کر دوں گا جس میں صاحبان عقل و ہوش' حیران و ششدر رہ جائیں گے (ابن ابی الدنیا)۔

بگاڑ کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ عورت ایمان و عمل کے تحفظ کی آخری پناہ گاہ ہے۔ نوجوان اس کا مستقبل۔ ماضی سے مستقبل کا سفر انھی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ بگاڑ کی آخری حد یہ ہے کہ معروف اور منکر کی تمیز اٹھ جائے' بلکہ لوگ معروف سے روکنے لگیں اور منکر کی ترغیب دینے لگیں۔ پھر انجام ایسے فتنے ہیں کہ عقل کام نہ کرے' کیسے بچا جائے' ایسے مسائل ہیں کہ حل نہ ہوں' ایسی پریشانیاں ہیں کہ دُور نہ ہوں۔

(مرتبہ: خ - م)

گوشۂ رمضان

طلوعِ قرآن، شبِ قرآن، شکرانۂ قرآن

محمود فاروقی

ادب اسلامی کی معروف شخصیت محمود فاروقی مرحوم اب ہمارے درمیان نہیں، لیکن ان کی یادگار تحریریں موجود ہیں۔ ان کا قلم اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف تھا۔ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے انھوں نے منفرد اور ممتاز مقام حاصل کیا۔ ایک روزنامہ میں "محراب و منبر" کے عنوان سے کئی برس تک تاریخ اسلامی کی جھلکیاں نہایت دلکش انداز سے پیش کیں۔ زندگی کا آخری حصہ انھوں نے شکاگو سے ایک ریڈیو پروگرام "تجلی" پیش کر کے گزارا۔ ان کا انتقال ۶ مارچ ۱۹۹۱ کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین۔

رمضان المبارک اور عید کی مناسبت سے "تجلی" سے تین نشریات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

۱

آخری چراغ

خلوتِ غارِ حرا کا ایک انعکاس

وہ شرارِ زندگی جو جنت سے زمین پر اترا، وہ چراغ جو اندھیرے سمندر میں سفینۂ نوحؑ کو روشن کر رہا تھا، وہ روشنی جسے ابراہیمؑ شہرِ اُر سے لے کر چلے تھے، جو کبھی دیدۂ یعقوبؑ میں نور بن کر اتری تھی، پھر کبھی روزنِ زنداں سے یوسفؑ کنعاں تک پہنچی تھی، جو فرعون کے دربار میں موسیٰؑ کے روشن ہاتھ پر جلوہ فگن ہوئی تھی، جس سے سلیمانِؑ اعظم نے اپنے ہیکل کو منوّر کیا تھا، اور جو صدیوں تک یروشلم کے میناروں پر فروزاں رہی، اور پھر جب یروشلم اس روشنی سے محروم ہو گیا تو عیسیٰؑ ابنِ مریم مسیح ناصری اس چراغِ ہدایت کو تھامے ہوئے پہاڑی پر چڑھے اور

انھوں نے اپنے حواریوں کو خوش خبری سنائی :

اندھیری دنیا کا چراغ روشن ہو کر رہے گا۔ تب سارے چہرے پہچان لیے جائیں گے کہ کون خداوند خدا کی بادشاہت کا طلب گار ہے' اور کون روشنی سے منہ پھیر کر الٹے قدم بھٹکنے والا گنہگار ہے !

اُف یہ بھیانک کائی

دنیا کے قدیم' مقدس ترین شہر میں زندگی بہت فرسودہ اور زنگ آلود ہو گئی تھی۔ موت کی طرح دھندلا گئی تھی۔ ذہنوں میں صدیوں کا جمود اور برسوں کا تعطل کائی کی طرح جم گیا تھا۔ یہ کائی بہت پرانی' تہ بہ تہ تھی۔ اس پر کاہنوں کے بے ربط مگر ہول انگیز بول ثبت تھے' مقدّس مزامیر میں پڑھی جانے والی ناقابلِ فہم روایات جذب تھیں۔

یہ تہ بہ تہ کائی ! ذہن پر' خیال پر' علم پر' فکر پر' انسان کے اندر' انسان کے باہر' سب جگہ اس کائی نے قبضہ جما رکھا ہے۔ اس سے کیسے چھٹکارا ملے۔

کیسے ہیں یہ لوگ !

یہ لوگ جو حرم کے گرد چکر لگاتے ہیں' جو بازاروں میں لین دین کرتے ہیں' جو سامانِ تجارت سے لدے ہوئے اونٹ لے کر صحرا کا دل چیرتے کبھی شام' کبھی مدائن کی طرف نکل جاتے ہیں' جو عکاظ کے میلے میں سڑی ہوئی کھجوروں کی شراب پیتے' اور پانسے پھینک کر جُوا کھیلتے' اور اپنے روایتی آہنگ میں شعر کا جواب شعر سے دیتے' اور بات بات پر تلواریں چمکاتے' نظر آتے ہیں' جو سنگ دلی سے اپنی نومولود بیٹیوں کا گلا گھونٹ کر زمین میں دبا دیتے ہیں' جو بے جان پتھروں کے سامنے پیشانی جھکائے گڑگڑاتے ہیں' جو اپنے غلاموں سے وحشیانہ سلوک کرتے ہیں' جو لین دین میں دھوکہ اور فریب کو ہنر جانتے ہیں' جن کے بوڑھے' حریص' اور دقیانوسی توہمات میں مبتلا ہیں' جن کے نوجوان لہو و لعب میں اور اوچھے مشغلوں میں منہمک ہیں۔ یہ غصے کے' نفرت کے' حسد کے بھوت ! ارے یہ لوگ محبت سے کتنی دُور چلے گئے ہیں ! انھیں کون واپس لائے ؟

اندھیرا' ہولناک اندھیرا

یہ کیسا اندھیرا ہے ؟

علم کی گپھاؤں میں بڑا ہولناک اندھیرا ہے۔ فکر و خیال کی دنیا' حرکت و تموج سے محروم ہے۔

تحقیق کی راہیں تاریک پڑی ہیں۔ تلاش کرنے والے صدیوں پہلے نہ جانے کب آئے تھے۔ اور اب' قرن با قرن سے منزلیں گوش بر آواز' آنے والے قدموں کی راہ تک رہی ہیں! کوئی ہلکی سی چاپ؟ کسی دامنِ گزراں کی سرسراہٹ؟ کسی عطرِ سامان رہ نورد کی مہک؟

نہیں نہیں' کچھ بھی نہیں! کوئی بھی نہیں! اس طرف کوئی نہیں آیا! نہ صدا' نہ بازگشت! کچھ بھی نہیں! بس ایک سنسناتا ہوا تاریک خلا ہے! تاریک خلا میں کچھ بھائی نہیں دیتا! آسمان زمین سے بہت دُور چلا گیا! بہت اونچا! دُور دُور تک ہلکی شعاع بھی نہیں دکھائی دیتی! دل اندھیرے ہیں' اور روحیں تاریک! اندھیرا! افق سے افق تک اندھیرا!

اور یہ آوازیں

یہ کیسی آوازیں ہیں؟

اس تاریک خلا میں مختلف سمتوں سے آتی ہوئی' یہ پُراسرار آوازیں! کاہنوں کے بے ربط مگر ہول انگیز بول! ناقابلِ فہم پیچ در پیچ روایتوں کے تذکرے! چیختے چلاتے توہمات! بھنبھناتے ہوئے سحر!

اندھیرا پُراسرار تھا۔ اس کا بولتا ہوا سکوت پُراسرار تھا۔ اس پردۂ سکوت میں دُور سے آتی ہوئی آوازیں' صدیوں کی سرگوشیاں' آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ قیاس و گمان حقیقت و یقین سے الجھے ہوئے تھے۔ یوں: ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی بنیادیں رکھی تھیں۔ موسیٰؑ بنی اسرائیل کو سمندر کا دل چیر کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ عیسیٰؑ نے آسمانی رحمتوں کی بشارت سنائی تھی۔

یہ اللہ کے فرستادہ مقدس بندے تھے۔

نہیں نہیں' یہ اللہ کے اوتار تھے!

یہ اللہ کے بیٹے تھے!

یہ جو بھی تھے' کل بھی! ارے یہ تو خود خدا تھے!!

تجلی! وہ تجلی کہاں ہے؟

اندھیرے سکوت سے بلند ہوتی ہوئی مدھم پڑتی ہوئی یہ آوازیں کتنی متضاد' پُراسرار اور کتنی پریشان کن تھیں!

مگر آہ! حقیقت کیا ہے؟ حقیقت کہاں ہے؟ تجلی! وہ تجلی کہاں ہے؟ کہاں! کیوں؟ کیسے؟ کس کے ذریعہ؟

اُمّ القریٰ سے چھ میل کے فاصلہ پر حرا کی سنگین خاموشی میں یہ سوال بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ لب بند تھے۔ روح بے قرار تھی، بے چین و مضطرب تھی، سراپا سوال تھی، اور سراپا، مجسم روح تھا۔ ایک خاموش مگر بولتا ہوا سوال! ایک بولتی ہوئی مگر خاموش روح!

تجلی! وہ تجلی کہاں ہے؟؟

حرا کی خنک خاموشی میں انتظار کتنا بھاری اور بوجھل ہو گیا تھا!

مگر ایک شام

آخر ایک شام، ڈوبتے سورج کی زرد دھوپ میں، حدتِ شوق اور گرمی طلب نے حرا کی سنگینی کو پگھلا دیا! پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی! اللہ کا مقدس فرشتہ اس تجلی کو جلو میں لیے نمودار ہوا، جو وقفہ وقفہ سے زمین پر اترتی رہی تھی، جس کا دنیا کو عرصہ طویل سے انتظار تھا۔ تجلی نمودار ہوئی، گراں بار پلکیں اٹھیں۔ نظارہ، چشم منتظر میں کھل کھل گیا! دل بے تاب کا ہر شگوفہ کھل کھل اٹھا! روح کے تشنہ لب نم نم ہو گئے! سوال کا جواب مل گیا! گتھیاں سلجھ گئیں! حقیقت واشگاف ہو گئی! فرشتے نے اللہ کا کلام سنایا۔

رب کائنات کے اپنے بول! جن میں زم زم کی طراوت اور کوثر کی شیرینی گھلی ملی تھی!

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۝ (العلق ۹۶: ۱ - ۵)۔

پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا! جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

اللہ کے رسولؐ نے پڑھا۔ اور صدیوں سے جمی ہوئی کائی پھٹ گئی۔ زمانوں کا جمود ٹوٹ گیا۔ اندھیرے بھاگے۔ حرا جگمگا اٹھا۔ اور پھر حرا سے نکلنے والی تجلی نے زمانے کو روشن کر دیا۔ دنیا کو اس کا گم شدہ چراغ مل گیا! اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا!

کرن کرن اجالے

راہ نمائی کا ستارہ دامن شب پر ہیرے کی طرح دمک رہا تھا۔ اللہ رب العالمین نے پردۂ شب کو چاک کر کے روئے سحر کو جلوہ آرا کر دیا تھا۔ اندھیروں اور ظلمتوں کا دور ختم ہو رہا تھا۔ اجالے

کرن کرن بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اور اس نور و ظلمت کی حدِ فاصل پر اللہ کا آخری رسولؐ کھڑا ہوا اللہ کی آیات پڑھ رہا تھا۔ اس کے مخاطب اس کے اپنے وطن، اپنے قبیلے کے لوگ تھے۔ اس کے مخاطب دنیا جہان کے لوگ تھے۔ اس کا خطاب زندگی کے آخری کنارے تک کے لیے تھا۔ ان سارے زمانوں تک کے لیے جو مستقبل کے بطن میں پوشیدہ تھے۔ کروڑوں انسانوں کے لیے جو پیدا ہو چکے تھے اور جو عالمِ وجود میں آنے والے تھے ان سب کے لیے، جو دامنِ صفا سے عرصہ قیامت تک پھیلے ہوئے تھے۔ نسل در نسل! عصر بہ عصر!

۴

برکتوں والی رات

جب آسمان سے فرشتے اترتے ہیں

شب قدر کی فضیلت نزول قرآن کی وجہ سے ہے۔ قرآن پاک عالمِ انسانی کے لیے ایک خیرِ عظیم بن کر نازل ہوا۔ وہ رات جس میں قرآن نازل ہوا، وہ اپنی فضیلت و برکت و اجر میں ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اس رات اللہ نے اپنے بندوں کے لیے وہ نعمتِ عظمیٰ اتاری ہے جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی، مدت ہائے دراز میں، انسانیت کی بھلائی کے لیے وہ کام نہیں ہوا جو اس ایک رات میں ہوا۔

اس نعمت کا شکرانہ، برکتوں والا مہینہ رمضان ہے، اور اس نعمت کو زندگی میں برتنے کی تربیت تیس دن کے فرض روزوں کے ذریعہ ملتی ہے، کہ اللہ کے اس انعام و اکرام پر ہم اپنے آپ کو، اپنے جسم و جان کو اپنے مالک کے حضور پیش کردیتے ہیں کہ ہماری تمام تر متاعِ حیات تیرے لیے وقف ہے، اس پر تیرا ہی حق ہے، تو ہی اس کا مالک و مختار ہے، جس طرح تو اسے رکھنا چاہے رکھ، جس کام میں اسے لانا چاہے لا۔ ہم بس تیرے ہیں، کسی اور کے نہیں۔

محبت کا تعلق

اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ تعلق محبت کا ہے۔ یہ سارا نظامِ کائنات اس کی محبت و رفاقت کی علامت ہے کہ اسے اللہ نے صرف انسان کے لیے ہی بنایا ہے۔

سورج کی گرمی، چاند کی خنکی، پانی کی نمی، ہوا کی روانی، موسموں کی تبدیلی، آگ کی تپش،

خاک کا ثبات، بادلوں کا ترشح، خانۂ قدرت میں قوت و حرکت کی تمام تر کار فرمائیاں۔ یہ سب کچھ اللہ نے انسان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہی تخلیق کیا ہے۔ انسانی زندگی کی ایک ایک ضرورت کی تکمیل کے لیے ارض و سما کی تمام تر قوتوں کو اس کے لیے وقف کر دیا ہے۔ بڑی بڑی چیزوں کا ذکر کیا، دیکھیے، انسانی رزق کو لذیذ بنانے والے کتنے ہی چھوٹے بڑے بیج بنائے ہیں جن سے ہم اپنے پکوان کے مصالحے تیار کرتے ہیں۔ یہ نہ ہوتے تو افطار و سحری کے پکوان کتنے بے مزہ اور پھیکے ہو جاتے۔ غرض اس نے زندگی دی ہے تو زندگی کا سارا سر و سامان بھی دیا ہے۔

ہدایت کا احسان

اللہ کا دوسرا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے زندگی کی ان گنت راہوں میں سیدھی راہ کی نشاندہی کر دی، اور اپنے فرستادہ نبیوں اور رسولوں کے ذریعے راہ راست کی واضح نشانیاں بتا دیں، کہ چلنے والے بے خطر اس راہ پر چلیں اور خیر و ہدایت کی منزل پر بھٹکے بغیر پہنچ جائیں۔

خالق پر بندوں کے دو ہی حق ہیں، ایک رزق، دوسرا ہدایت۔ رب کریم نے اپنے بندوں کے یہ دونوں حق ادا کر دیے کہ ان کے جسم و روح دونوں کی ضروریات کے سامان پیدا کر دیے۔ وہ اپنے بندوں کے لیے اس پورے نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے کہ وہ اس کی مخلوق کے لیے قائم و برقرار رہے، اور اس کا آب و دانہ اور اس کی زندگی کی تمام تر حاجتوں کا سامان اس کو قیامت تک برابر ملتا رہے۔ اس طرح اس نے اپنے نظام ہدایت، یعنی کتاب و سنت کو بھی محفوظ کر دیا کہ جب تک اس زمین پر انسان زندہ ہے، ہر زمانہ میں راہ راست کی طرف اس کی رہنمائی ہوتی رہے۔

اللہ نے یہ سارے احسانات اس لیے کیے ہیں کہ اس کو اپنے بندوں سے محبت ہے، وہ ان کا دوست، ہمدرد، خیر خواہ اور غم گسار ہے۔

محبت کا اظہار

اپنی محبت کا اظہار اللہ نے اسی ماہ رمضان کی شب نزول قرآن اور روزہ کے احکام کے ساتھ کیا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۸۶)

اور اے نبیؐ! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انھیں بتا دو کہ میں ان

سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں، اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (یہ بات تم انھیں سنادو) شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔

کس محبت و پیار سے کہا ہے کہ میں ان سے قریب ہوں، اور کوئی پکارے تو اس کو اس کی پکار کا جواب بھی دیتا ہوں کہ اس کی آرزو اور مراد پوری کر دیتا ہوں!

محبت کرنے والوں کی تلاش

اس محبت کے لیے صرف شرط یہ ہے کہ اس کو پکارنے والے اس کی دعوت کو دل و جان سے قبول کریں، اس کے پیغام پر لبیک کہیں اور اس کے لیے تن من دھن سے ہمیشہ تیار رہیں۔

اس کی دعوت، اس کا کلام، اس کا پیغام، اس آخری کتاب قرآن میں محفوظ ہے جو شب قدر میں نازل ہوا۔ شب قدر میں اس کی طرف سے سلامتی لے کر، فرشتے اور روح القدس جبریل امین، عالمِ انسانی کے افق پر اللہ سے محبت کرنے والوں کی تلاش میں آتے ہیں، کہ ہے کوئی اس سے محبت کرنے والا بندہ، جو اپنی زندگی کے سارے دکھ درد لیے، اس مبارک رات کی تنہائی میں، اپنے رب کو دل کی گہرائیوں سے پکار رہا ہو، اس کے حضور رکوع و سجود کر رہا ہو، اس کے کلام ہدایت کو شوق و ذوق سے پڑھ رہا ہو، اور سراپا آرزو بنے اس کے قربؐ کو تلاش کر رہا ہو۔ اس کی حسرتیں، اس کی آرزوئیں، اس کی چشمِ تر سے آنسو بن بن کر بہہ رہی ہوں۔ اس کی آہیں اس کے ہونٹوں پر لرز رہی ہوں، اور وہ اپنے مالک کو پکار رہا ہو، برابر پکارے جا رہا ہو: "اے میرے اللہ، اے میرے رب، اے میرے مالک، اے میرے آقا!"

اور جب رب العالمین کی طرف سے اس بے قرار بندہ کی پکار کا جواب آفاق میں گونجتا ہے تو اس مقدس رات میں نازل ہونے والے فرشتے اور روح القدس، شب بیدار بندہ کے دامان مقدر میں، اللہ کی رحمت و مغفرت اور سلامتی کے اجر و انعام کو ڈال دیتے ہیں۔

شب قدر کا جشن منانے والو! اس رات کی برکتیں محفلوں سے کہیں زیادہ تنہائی کے لمحوں میں ملتی ہیں۔ اللہ کی طرف یکسو ہو کر بیٹھ جاؤ، دلوں کے چراغ جلاؤ اور بے اختیار اپنے رب کو پکارو۔

اے میرے رب، میرے آقا، میرے مالک، میرے اللہ، اللہ، اللہ، اللہ۔

ترمذی، مسند احمد، ابن ماجہ اور مشکوٰۃ کی متفقہ روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسولؐ، اگر میں

شب قدر پاؤں تو کونسی دعا پڑھوں۔ تو آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔

اے اللہ، بے شک تو عفو و مغفرت والا ہے۔ عفو و مغفرت کو پسند کرتا ہے۔ مجھے بھی معاف کر دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بھی لیلۃ القدر میں، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے، شب بیداری کی، اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۳

عیدالفطر

رحمتوں، شفاعتوں، نذرانوں اور شکرانوں کا جشن

اسلامی معاشرہ میں عیدالفطر کی اہمیت

اسلام کا سماجی نظام اپنی اصل کے اعتبار سے ایک بہت بڑا اخلاقی نظام ہے۔ اس کی عبادات اور معمولات کا سارا دارومدار اعلیٰ اخلاقیات پر ہے۔ فکروخیال کی پاکیزگی، اعمال میں راست روی، معاملات میں دیانت داری، معاشرت میں خوش اطواری اور روابط و تعلقات میں میانہ روی اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

جنت کا معاشرہ

اسلام انسانی زندگی کے لیے محض دنیاوی سکیم کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنی روح اور اپنے احکام کے اعتبار سے ایک وسیع ترین "دو جہانی سکیم" ہے۔ اسلامی فکر کے لحاظ سے دوسری دنیا کوئی تخیلی اور مثالی دنیا نہیں بلکہ ایک حقیقی جیتی جاگتی دنیا ہے، ایک ٹھوس اور واقعی دنیا جو انسانی تہذیب و تمدن کے ایک نہایت ہی اعلیٰ ترین معیار کو پیش کرے گی۔ اس مکمل ترین دنیا میں بسنے والے انسانوں کو، جن کا مسکن فردوسِ بریں ہو گا، اتنا کامل الاختیار بنا دیا جائے گا کہ وہ، قوانین طبعی کے تحت نہیں بلکہ قوانین طبعی، ان کے زیرِ اختیار ہوں گے۔

جنت کا یہ مہذب ترین معاشرہ دراصل انسانی ترقی کی وہ معراج ہوگی جس کا حقیقی تصور کرنا

بھی یہاں محال ہے۔ ظاہر ہے جنت کے اس اعلیٰ ترین معاشرہ میں اتنے وسیع اور ناقابل قیاس اختیارات تیسرے درجے کے گھٹیا اخلاق اور ناقص معیار والے انسانوں کے ہاتھ میں نہیں دیے جا سکتے جو نفس پرست، خودغرض، ظلم پیشہ، بدخُلق، گندہ دہن، گندہ دل، گندہ ذہن، گندہ رُو، گندہ پیرہن ہوں۔ جو سوچیں تو بُرا سوچیں، بولیں تو بُرا بولیں اور چلیں تو بُری راہ چلیں، کریں تو بُرے کام کریں۔ منطقہ جنت میں ایسے ہی انسان بسائے جائیں گے جو حسنِ ذوق، حسنِ خیال، حسنِ فکر، حسنِ گفتار اور حسنِ کردار غرض ہر اعتبار سے "انسان کامل" ہوں۔

تربیت کا نظام

اس اعلیٰ ترین شستہ اور پاکیزہ "اُخروی معاشرہ" کے لیے اسلام ایک تربیتی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ان تمام انسانوں کو جو اللہ، اللہ کے رسولؐ اور آخرت کی اس حقیقی زندگی پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ منطقہ جنت کا شہری بنانے کی ہمہ پہلو تربیت دیتا ہے۔ اس دنیا میں وہ ایک ایسا معاشرتی، سیاسی، معاشی اور تہذیبی ماحول بناتا ہے جس میں انسانی صلاحیتوں اور کمالات کے نشوونما پانے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں اور انسانی مواد مفید اور پاکیزہ مقاصد کے لیے از خود منظم و مربوط ہوتا چلا جاتا ہے۔

روزہ، ایک کورس

اسلامی عبادات، اسلام کے اس تربیتی نظام کا ضروری اور لازمی حصہ ہیں اور وہ اس کے مقاصد و نتائج کو حاصل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ رمضان کے روزے بھی اس نظامِ تربیت کا اہم ترین کورس ہیں۔ روزہ کے ذریعہ تسخیرِ خودی، ضبطِ نفس، اعتدالِ مزاج، تنظیمِ عادات اور دوسرے تمام تر اخلاقی محرکات کو ابھارا جاتا ہے تاکہ ناقص اور خام انسانی مواد روزہ کی بھٹی میں تپ کر ہر طرح کے کھوٹ اور آلائشوں سے پاک ہو جائے، انسان کی شخصیت نکھر اور سنور جائے، اس کا کردار اس درجہ پختہ اور مضبوط ہو جائے کہ وہ جہانِ آخرت میں اللہ کے نائب اور نمائندہ کی حیثیت سے نظامِ کائنات کے وسیع تر اختیارات کو سنبھالنے اور منشاءِ خداوندی کے مطابق ان کو استعمال کرنے کا اہل سمجھا جائے۔

اختتامی تقریب

جب تیس دن کا یہ تربیتی کورس مکمل ہو جاتا ہے تو اس کی اختتامی تقریب منعقد کی جاتی ہے جس میں اسلامی معاشرہ کے افراد اپنی تربیت کی تکمیل اور اُخروی معاشرہ کے رہن سہن کی

صلاحیت اور سلیقہ پیدا کرلینے پر خوشی مناتے، بطور شکرانہ کے اللہ کے حضور فطرہ کی نذر پیش کرتے اور اس کی تعظیم و تکبیر کے لیے دوگانہ عید ادا کرتے ہیں۔ اسی مسرت انگیز تقریب کا نام عیدالفطر ہے۔

فطر کی اہمیت

مختلف قوموں کے بیشتر تہوار شخصیتوں یا قومی کارناموں سے نسبت رکھتے ہیں۔ ہماری یہ عید تہواروں سے قطعی مختلف ہے۔ یہ نہ کسی شخصیت سے منسوب ہے اور نہ کسی قومی واقعہ یا کارنامہ سے، بلکہ یہ ایک ایسی منفرد عید ہے جس کی کوئی مثال اقوام و مذاہب کے تہواروں میں نہیں ملے گی۔ یہ عید ایک نیکی سے منسوب ہے، ایک ایسی نیکی جو خلق خدا کی بھلائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ عیدالفطر کا نام ہی بتا رہا ہے کہ یہ فطرہ والی عید ہے۔ یہ فطرہ خیرات نہیں ہے کہ آدمی کا جی چاہے تو ادا کردے اور نہ چاہے تو ادا نہ کرے، بلکہ اسلامی مملکت میں یہ مسلمان شہریوں کا ایک ایسا قانونی فرض ہے جسے ادا نہ کرنے پر وہ سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔۔۔ فطرہ اپنے اس قانونی تحفظ کے ساتھ ایک لازمی رفاہی اسکیم کی حیثیت رکھتا ہے جس میں حصہ لینا فطرہ ادا کرنے کی اہلیت و استطاعت رکھنے والے ہر بالغ و نابالغ مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔

رمضان ہمارا مہمان

برکتوں والا مہینہ رمضان ایک معزز آسمانی مہمان تھا جو تیس دن تیس راتوں تک مسلم معاشرے میں مقیم رہا۔

وہ ہمارا مہمان تھا۔ ہمارے گھروں میں، سحر و افطار، تراویح و تہجد میں، اور پھر دن بھر روزہ کے مبارک لمحوں میں ہمارے ساتھ ساتھ رہا۔

وہ آیا تھا تو خالی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ اپنے شب و روز کے خریطوں میں رحمتوں، برکتوں، نعمتوں اور شفاعتوں کے تحفے بھر بھر کر لایا تھا، یہ تحفے اللہ رب العزت کی بارگاہِ خاص سے عنایت کیے گئے تھے کہ میری دنیا میں جاؤ اور میرے وفا شعار دوستوں کو ڈھونڈو، جو وہاں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور ان کے دامن ہمارے ان پاکیزہ تحفوں سے بھر دو۔

ہمارا یہ معزز مہمان، ماہِ صیام رحمتوں اور برکتوں کی سوغاتوں سے لدا پھندا اللہ کے دوستوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ جہاں کسی کو سنا کہ اللہ کو پکارتا ہے، اس نے اس کے دامنِ طلب کو ہدیۂ دوست سے بھر دیا۔ رحمتوں، برکتوں، نعمتوں اور شفاعتوں سے مالا مال کردیا۔

اب جبکہ وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہوگیا تو جاتے ہوئے بھی وہ خالی ہاتھ نہ گیا۔ آتے

ہوئے وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہدیوں' تحفوں' رحمتوں اور برکتوں کو اٹھا کر لایا تھا' اور اب جاتے وقت وہ اس کے بندوں کی عبادتوں' نیکیوں' بھلائیوں کو اکٹھا کر کے لے گیا ہے۔

وہ یہ نذرانے اللہ کے سامنے پیش کرے گا' وہ اس کے حضور ایک ایک روزہ کی سفارش و شفاعت کرتے ہوئے کہے گا:

"اے رب! میں نے اس کو کھانے پینے اور شہوات سے دن بھر روکے رکھا تھا' اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔"

اس کی تائید کرتے ہوئے' قرآن بارگاہ رب العزت میں عرض کرے گا:

"اے رب! میں نے اسے رات کے آرام سے روکے رکھا تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما۔"

اللہ ان دونوں کی شفاعت کو قبول کر کے اس روزہ دار مومن کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دنیا و آخرت میں بہتر اجر سے نوازے گا (بروایت عبداللہ بن عمرؓ)۔

مہمان کے ساتھ سلوک

آج عیدالفطر کے دن' اللہ کے دربار میں' ماہ رمضان دنیا میں پورے تیس دن تک اپنے قیام کی رپورٹ پیش کر رہا ہے اور نام بنام بتاتا جا رہا ہے کہ اس کے ساتھ کس نے کیا سلوک کیا۔ کون اس کی آمد پر خوش ہوا' اور کس نے اسے دیکھ کر تیوریاں چڑھالیں' کس نے اس کی آؤ بھگت کی اور روزہ داری اور نیکو کاری سے اس کی خاطر تواضع کی' اور کس نے اس کو اپنے گھر میں گھسنے نہیں دیا اور دور ہی سے اسے پھٹکار دیا۔

اس دن ان دونوں طرح کے لوگوں کے لیے ایک بہتر موقع ہے۔ ان کے لیے جو اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں سے اللہ کے فرستادہ اس معزز مہمان کی قدر نہ کرسکے' اور ان لوگوں کے لیے بھی جنھوں نے دل و جان سے اس کی خدمت کی' کہ وہ اس وقتِ خاص میں بارگاہِ رب العزت میں سچے دل سے نذرانہ پیش کریں' اس کے حضور صف بستہ ہو جائیں اور اظہارِ اطاعت کے لیے سربسجود ہو جائیں۔

یہ نذرانہ اور اظہارِ اطاعت' کوتاہ عمل بندوں کے لیے دربار الٰہی سے بخشش و مغفرت کا وسیلہ بن جائے گا اور نیکو کار بندوں کے لیے رحمت و برکت کا ذریعہ۔

اس عالی مرتبت دربار کے لیے قیمتی سے قیمتی چیز بھی لائقِ پیشکش نہیں ہو سکتی' اس کے دربار کا انمول تحفہ تو صرف ایک ہی ہے کہ اس کے مستحق بندوں کی حتی المقدور مدد کی جائے'

خلق کی خدمت ہی وہ سوغات ہے جو وہاں مرغوب و پسند ہے۔

فطرہ اور دوگانہ عید

اس موقع خاص کے لیے بہترین نذرانہ، فطرہ ہے۔
اور بارگاہِ الٰہی کے حضور اظہارِ اطاعت، صلوٰۃ ہے۔

عیدالفطر کی تقریب دو اہم باتوں پر مشتمل ہے' ایک فطرہ دوسری دو گانہ نماز۔ فطرہ حقوق العباد سے متعلق ہے' اور نماز عید حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے ان دونوں چیزوں' نماز اور فطرہ میں سے فطرے کو نماز پر ترجیح دی ہے۔ اوّل یہ کہ اس عید کا نام ہی فطرہ کی نسبت سے عیدالفطر رکھا۔ دوسرے یہ کہ فطرہ کی ادائیگی کو نماز کی ادائیگی سے اوّل رکھا' اور وہ بھی سخت تاکید کے ساتھ کہ نماز سے پہلے فطرہ ادا کرو۔ یہ اصرار اور تاکید ایسی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز سے پہلے بغیر کسی عذر کے فطرہ ادا نہ کرے' اللہ کے حضور اس کی آمد پسندیدہ نہیں۔

جشن عید کا آغاز فطرہ سے ہوتا ہے۔ یہ بارگاہِ الٰہی میں بندوں کی طرف سے ایک نذرانہ ہے جو بذاتِ خود ایک التجا اور عرضداشت کی حیثیت رکھتا ہے کہ

> اے اللہ' اگر ہمارے روزوں میں کوئی کمی رہ گئی ہو' یا ہم نے ماہِ صیام کی عبادتوں میں کوئی قصور و کوتاہی کی ہو' تو اس فطرہ کو اس کی تلافی کے لیے قبول فرمالے' اور ہماری نمازوں کو' ہمارے روزوں کو' ہماری نیکیوں اور بھلائیوں اور تلاوتِ قرآن کو قبول فرمالے' اور ہمارے حق میں ماہِ صیام اور مقدس قرآن کی سفارش و شفاعت کو منظور کرلے۔

اس فطرہ کو ادا کرنے کے بعد رمضان کی ذمہ داریوں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تکمیل فرض کی خوشی میں سجدۂ شکر بجا لانا چاہیے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا۔ عید کی دوگانہ نماز دراصل اسی شکرانہ کی نماز ہے۔ اس نماز میں عام نمازوں سے زیادہ تکبیریں کہنے کی یہی عارفانہ توجیہ ہے کہ اس کے غلام' تکمیلِ خدمت کی خوشی میں بے خود ہوجاتے' اور والہانہ طور پر اپنے آقا کا نام لے لے کر پکارتے ہیں' اس کی عظمت و کبریائی کا اعلان کرتے ہیں' اور اس کی حمد و تقدیس بیان کرتے ہیں۔

رفاہِ عامہ

عیدالفطر ایک تہوار نہیں بلکہ رفاہ عامہ کی ایک تدبیر بھی ہے۔ جو فطرہ دینے کا اہل ہو اور

فطرہ نہ دے' تو اس کی عید ادھوری رہ جاتی ہے' کیونکہ وہ ماہ صیام کی تربیت کو جھٹلاتا ہے' جو غریبوں' مستحقوں کو سہارا دینے اور پسماندہ خاندانوں کو معاشرے کی سطح تک پہنچانے کے لیے ایثار و قربانی کے جذبات پیدا کرتی اور بھوک پیاس کی تکلیف کا احساس دلاتی ہے۔ فطرہ میں جو اجناس یا نقد روپیہ اسلامی معاشرہ کا ہر فرد ادا کرتا ہے وہ مجموعی طور پر ملک و ملت کے پسماندہ اور مستحق افراد کی وسیع پیمانے پر مدد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس طرح عیدالفطر اور دوسرے تمام اسلامی تہوار ہر سال قومی دولت کو معاشرے کے ہر طبقہ میں گردش میں رکھتے ہیں۔

عبادت

عیدالفطر ایک جشن مسرت ہی نہیں' ایک عبادت بھی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی عبادت یعنی روزہ کا اختتام ہے۔ فطرہ ادا کرنے کے بعد یوم فطر کی سب سے پہلی مشغولیت عید کی نماز ہے جو اللہ کے حضور بطور شکرانہ ادا کی جاتی ہے۔ اسلامی معاشرہ کے تمام افراد کا عیدگاہ میں جمع ہونا' مل کر اللہ کی تکبیر بلند کرنا' اس کی حمد و ثنا بیان کرنا' اس کے حضور رکوع و سجود کرنا' اس کی بارگاہ کرم سے مغفرت طلب کرنا' بھلائیوں اور رحمتوں کی دعائیں مانگنا شکر و عبادت کی ایک ایسی مقدس فضا پیدا کر دیتا ہے کہ دل ایک دوسرے کی طرف جھکنے اور سب کے لیے ایک ہونے اور نیک بننے کی ترغیب پیدا ہو جاتی ہے۔

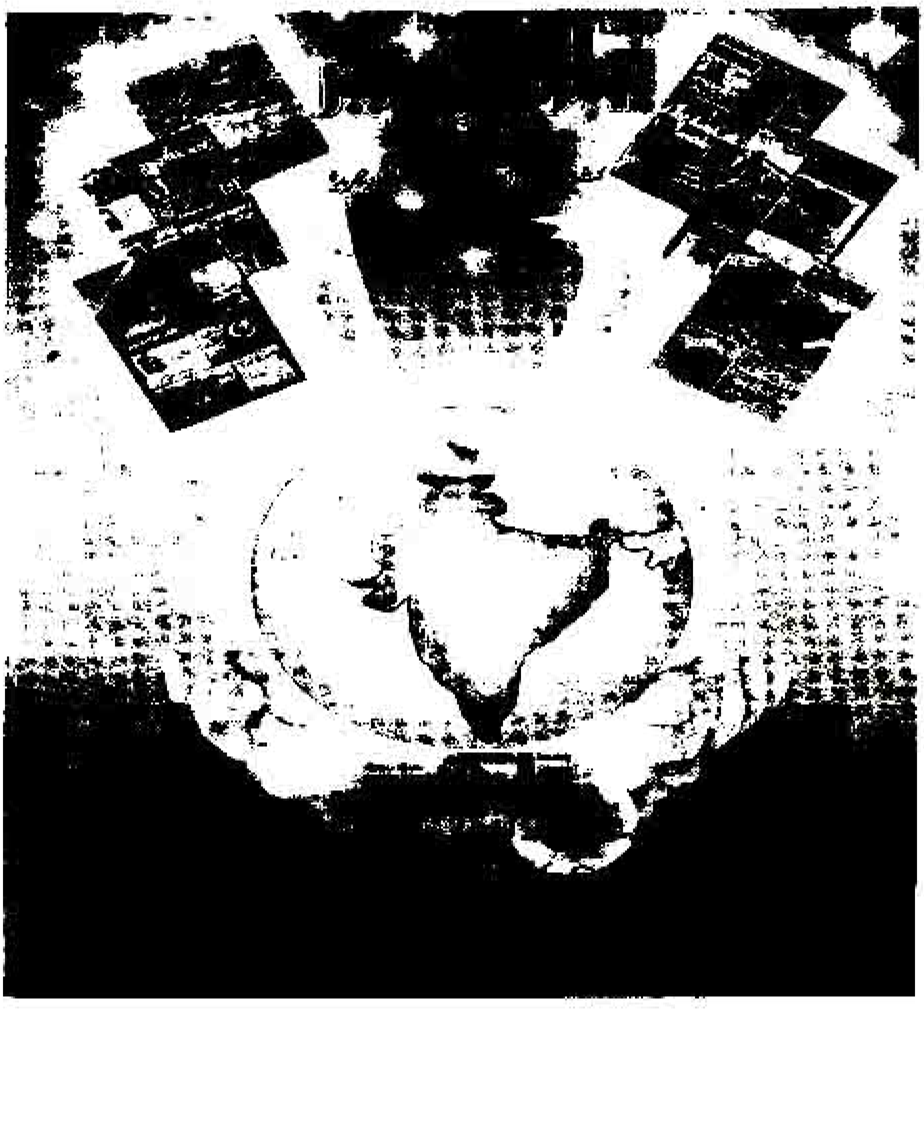
ہم ایک ہیں

نماز عید کی یہ اجتماعی تقریب جس میں چھوٹے بڑے ہر رنگ' ہر نسل' ہر قبیلہ' ہر برادری' ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے مسلمان اکٹھے ہو جاتے ہیں' مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والوں' مختلف زبان بولنے والوں کی یہ یکجائی ان کے باہمی اتفاق و اتحاد کے رجحان کو تقویت دیتی ہے' اور یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم علیحدہ نہیں' ہم ایک ہیں' ہم غیر نہیں' ہم بھائی ہیں' ہمارا خدا ایک ہے' ہمارا رسول ایک ہے' ہمارا قبلہ ایک ہے' ہمارا قرآن ایک ہے' ہمارا مسلک اور دین ایک ہے اور ہم ایک بہت بڑی عالمی برادری ہیں جو خدا کی وفاداری اور اطاعت رسول کی پیروی و متابعت کے پاکیزہ اصولوں پر وجود میں آئی ہے' ہم کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایک دوسرے سے محبت و معاونت کرنا چاہیے' عید سعید کا یہی مقصود اور یہی پیغام ہے۔

عیدالفطر کے دن معمولات نبویؐ

جب ماہ صیام کے دن پورے ہو جاتے' عید کا چاند دیکھ لیا جاتا' اور ایک شب گزر جاتی' تو

صبح اللہ کے رسولؐ حسب معمول مسجد نبوی میں نماز فجر کی امامت فرماتے۔ پھر آپؐ اپنے کاشانہ مبارک میں تشریف لے جاتے۔ جب کچھ دن چڑھ جاتا تو آپؐ غسل فرماتے' اور اپنے کپڑوں میں صاف ستھرا اجلا لباس زیب تن فرماتے' آنکھوں میں سُرمہ پھیرتے' کپڑوں میں خُوشبو ملتے' سر کے بالوں میں تیل ڈالتے اور کنگھے سے سنوارتے' پھر آپؐ چند کھجور' دودھ اور جو کچھ بھی اس وقت میسر ہوتا نوش فرماتے۔ اس کے بعد اپنے اصحاب کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے جاتے اور وہاں جو پہلا کام آپؐ کرتے وہ نماز تھی۔ جب لوگ صفوں کو درست کرلیتے تو آپؐ عید کی دو رکعتیں زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھتے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت بلالؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے' پھر آپؐ مجمع سے جو آپؐ کا خطبہ سننے کے لیے بے چینی سے منتظر ہوتا' خطاب فرماتے' لوگوں کو نصیحت فرماتے' ان کو ہدایات و احکام دیتے۔



آج اور کل

محمد بشیر جمعہ

ہاں میں کوشش کروں گا

ساحلِ سمندر پر ایک جھونپڑا تھا۔ سورج غروب ہونے کا وقت تھا۔ غروب ہوتے ہوئے سورج نے اندھیری ہوتی ہوئی دنیا سے پوچھا: ہے کوئی جو میری جگہ لے۔ اس سناٹے میں جھونپڑے کے اندر ٹمٹماتے ہوئے دیے نے کہا: "ہاں میں کوشش کروں گا"۔ چراغ اپنی ہی کوشش کرتا رہا' جلتا رہا' اور جس مقام پر اسے رکھا گیا تھا وہاں وہ روشنی پھیلاتا رہا۔ سورج کے چیلنج کو اس معمولی سے چراغ نے قبول کیا' اور اپنی سکت اور حیثیت کے مطابق' اپنی مقررہ جگہ پر' وہ روشنی پھیلاتا رہا۔

زندگی میں ہر شام سورج غروب ہوتا ہے' ہر شام اندھیرے کی ابتدا ہوتی ہے' ہر شام بلب قمقمے اور چراغ جلتے ہیں' ہر رات سخت اندھیروں کا مقابلہ یہی چھوٹے چھوٹے روشن چراغ اور بلب کرتے ہیں۔ پھر صبح ہو جاتی ہے۔ ایک کے بعد ایک صبح' یہاں تک کہ زندگی کی شام آ جاتی ہے۔ ہر صبح ایک نیا پیغام لاتی ہے۔ کچھ کرنے اور کر گزرنے کی طرف بلاتی ہے۔ کہتی ہے ٹمٹماتے دیے کے عمل سے راہنمائی حاصل کرو۔ اور اندھیرے دُور کرنے کے لیے اپنی بساط بھر کچھ کرو۔ بالآخر صبح ہو جائے گی۔ اس سے ایک اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ اسی امنگ کا نام ہے: "ہاں میں کوشش کروں گا"۔

آج ہم ڈوبتے ہوئے سورج اور کوشش کرتے ہوئے چراغ کے حوالے سے اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے' آئندہ کے لیے کچھ وعدے کرنے اور کچھ کر گزرنے کی کوشش کریں گے۔

اپنا احتساب کر لو

گزرتے ہوئے وقت کے بارے میں غور کرو۔ زندگی میں کس طرح ایک کے بعد ایک'

دوسرا دن' اور پھر سال آ جاتا ہے۔ یہ زندگی ہے یا کوئی طوفان! کس تیزی کے ساتھ گزر رہی ہے کہ سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔

ہمیں ہر سال بارہ مہینے یا باون ہفتے یا تین سو پینسٹھ دن یا ۸۷۶۰ گھنٹے میسر آتے ہیں۔ ذرا یاد تو کیجیے کہ ہم نے ان اوقات کو کہاں کہاں اور کیسے کیسے استعمال کیا۔ کتنا وقت ہم نے تعمیری انداز میں گزارا اور کتنا وقت ضائع کیا۔ ان اوقات میں ہم کیا کچھ کر سکتے تھے اور ہم نے کیا کچھ کیا۔ ہمارے کرنے کے کام کیا تھے اور ہم نے کیا کر لیا۔ کیا دل و دماغ کے کسی گوشے میں اطمینان کی کوئی کیفیت ہے۔

شاید ہم دنوں اور گھنٹوں میں حساب نہ دے سکیں' مگر ضمیر اور احساس کی عدالت میں کچھ حساب دے دیجیے اور کچھ اعتراف کر لیجیے۔ اپنی کارکردگی کا جائزہ لے لیجیے' اپنے اچھے کاموں کو نوٹ کر لیجیے' اپنی کامیابیوں کو تحریر کر لیجیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی غلطیوں' زیادتیوں' ناروا سلوک اور ناکامیوں کو بھی قلم بند کر لیجیے۔ اپنا احتساب کر لیجیے قبل اس کے کہ آپ کا احتساب کیا جائے۔ جو غلطیاں ہو گئی ہیں وہ دہرانی نہیں ہیں' اور جو کام کر سکتے تھے اور نہیں کیے اس کی تیاری کرنی ہے۔ جو کرنا چاہتے ہیں انھیں ٹارگٹ دے کر پورا کرنے کی ضرورت ہے۔

حالات کے تقاضے

حالات کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے ملک میں جن حالات سے گزر رہے ہیں اس کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔ کچھ کرنے کا پروگرام بنانے کے لیے حالات اور ان کے تقاضوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

۱۔ ہم ایک ایسے معاشرے کے فرد ہیں جس کی اقدار روبہ زوال ہیں۔

۲۔ ہم قرض کے نیچے اتنی دبی ہوئی قوم ہیں کہ ہم نے اپنی آئندہ دو یا تین نسلوں کو قرض دینے والے ممالک اور اداروں کے پاس گروی رکھ دیا ہے۔

۳۔ قوم کی نظریاتی شناخت کو اجاگر کرنے کے بجائے' ایک ایسے نظام تعلیم کو چلا رہے ہیں جس کے تربیت یافتہ افراد لارڈ میکالے کے مقاصد پورا کر رہے ہیں۔

۴۔ عراق ایران جنگ' خلیج کی جنگ' بوسنیا میں نسل کشی اور افغانستان کے حالات سے تشکیل پانے والا عالمی منظر' ہم مسلمانوں کو جگا رہا ہے کہ اٹھیں' دشمن کو پہچانیں' کمرہمت کس لیں اور تاریخ میں اپنا حقیقی مقام حاصل کریں۔

۵۔ ہماری نوجوان نسل اس وقت بے روزگاری' عدم اعتماد' فکری بحران' منشیات اور

احتجاجی مزاج کی شکار ہے۔

۶۔ ٹیکس اور پولیس کا ایسا نظام قائم ہے جو چوری اور جرائم کو پرورش کرتا ہے، جس سے پوری قوم اخلاقی اور مالیاتی بحران کا شکار ہے۔

۷۔ ملک میں طاقت کے سرچشموں پر کچھ خاندانوں کی اجارہ داری ہے۔ سیاسی نظام ایسا ہے کہ یہی لوگ ہر دور میں کسی نہ کسی انداز سے برسراقتدار آ جاتے ہیں۔

یہ حالات ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں آئندہ کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تقاضے اور تیاری

حالات کا نقشہ پیش کرنے کے لیے چند نکات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ فہرست ہر انسان اپنی سوچ اور فکر کے مطابق طویل یا مختصر کر سکتا ہے۔ ہم نے یہ فہرست قومی اور بین الاقوامی تناظر میں پاکستانی قوم اور امت مسلمہ کے حوالے سے پیش کی ہے۔ آپ اس میں اپنے ذاتی حوالے سے بھی اضافے کر سکتے ہیں اور اس کے بعد ہی آپ آئندہ کے تقاضوں کو متعین کر سکیں گے۔

ہم چند باتیں ایسی پیش کریں گے جس کا احساس، قوم کے اکثر لوگوں کو ہے۔ یہ باتیں مسلّمہ ہیں، تخلیقی اور نئی نہیں۔لیکن ضروری ہے کہ قوم کے افراد ان پر عمل کریں۔ اپنی زندگی کو بھی فائدہ پہنچائیں، اس قوم کو بھی زندہ اور تابندہ رکھنے کی کوشش کریں اور آئندہ نسل کو قرض کا بوجھ دینے کے بجائے حوصلہ دینے کی کوشش کریں۔

مثبت اندازِ فکر

قومی اِنحطاط کی ایک بہت بڑی وجہ لوگوں کا اندازِ فکر اور عملی رویہ ہے۔ دوسو سالوں کی انگریزوں کی غلامی اور تقریباً نصف صدی کی انگریزوں کے غلاموں کی غلامی نے اس قوم کے نوجوانوں کو فکری بحران کا شکار کر دیا ہے۔ گریجویشن کی سطح تک جو تعلیم دی جاتی ہے اس کا نہ تو مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے فوائد معلوم ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ انتظامی معاملات اور مینجمنٹ کے طریقۂ کار پر اختلافات کے باعث ادارے ترقی کے بجائے تنزلی کا شکار ہیں۔ محض گریجویشن کرنے والے افراد اپنا پیٹ پالنے کے لیے نوکری کرتے ہیں۔ نہ تو ان کی ذہنی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور نہ ہی انھیں کسی بہتر کام کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ جب انسان سے اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام نہ لیا جائے تو اس کا آگے

بڑھنے کا جذبہ ٹھٹھر جاتا ہے' اور وہ مایوسی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر فکری بحران اور منفی سوچ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ہمیں اس زندہ قوم کو حقیقی معنوں میں زندگی عطا کرنی ہے۔ اس سلسلے میں مملکت اور حکومت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ قوم کے لوگوں میں اعتماد پیدا کیا جائے' اور حکومتی کاروبار اور کاروباری طریقہ کار کے مروج انداز میں تبدیلی لائی جائے' تاکہ لوگ اپنی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں سے اس قوم کو کچھ دے سکیں۔ سیاست دانوں پر اس قوم کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس میں اعتماد' حوصلہ اور عزم پیدا کریں۔ تاجر برادری اور صنعت کاروں کو سمجھنا چاہیے کہ انھیں اور ان کے ملازمین دونوں کو قبر میں جانا ہے۔ وہ اپنے دفتری اور کاروباری نظام کو بہتر بنائیں تاکہ لوگوں کے ساتھ انصاف ہو اور ان کا استحصال نہ ہو۔ آپ کے چپڑاسی کے لیے تو ہزار روپے تنخواہ ہو اور آپ کے گھر کے کتے کے لیے مہینے کے دو ہزار روپے کی ہڈیاں آئیں ! اگر یہ معاملہ رہا تو قبر میں بھی مظلوم کی بددعا کا حساب لیا جاتا ہے۔ سرکاری افسران کو چاہیے کہ وہ اعلیٰ بنگلوں اور لاکھوں روپے کے ذاتی ٹارگٹ کے پیچھے بھاگتے رہنے کے بجائے عوام کی خدمت کریں۔ محسوس کریں کہ وہ اسی عوام کے خون پسینے کی کمائی کو ٹیکس کے ذریعے وصول کر کے کھاتے ہیں اور اسی عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر قبروں تک پہنچنا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اب میت کے آداب کی پابندی یعنی خاموشی نہیں ہوتی اور لوگ جنازے کے ساتھ ساتھ گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں۔ شاید آپ کے جنازے کے ساتھ ساتھ آپ کے کردار کی بھی گفتگو ہو رہی ہو اور آپ کو علم ہے کہ زبانِ خلق نقارۂ خدا ہے۔

احتجاجی انداز

ہمارے ملک میں معمولی معمولی باتوں سے لوگ بھڑک جاتے ہیں۔ دفتروں میں جھگڑے' بازاروں میں خون خرابے' سڑکوں پر حادثات' اور اس کے باعث گاڑیوں کو آگ لگانے کا عمل۔ یونین کے مطالبات اور اس میں بدزبانی۔ یہ سب چیزیں اس قوم کو دیمک کی طرح کھا رہی ہیں۔ اس میں توازن قائم کرنے اور صحیح راہِ عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

خاندانی اور کاروباری جھگڑے

ان جھگڑوں اور اختلافات کے باعث خاندان ٹوٹ رہے ہیں اور بڑھتے ہوئے منافع بخش کاروبار مسلسل نقصان کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس معاملے میں مصالحت کے لیے پہل کیجیے۔ اپنی جانب سے ایثار و قربانی پیش کیجیے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا جواب بھی اسی انداز میں ملتا ہے۔

اپنی انا کی جنگ کو ختم کیجیے۔ آپ کی ضد سے آپ کی ناک اگر بڑی بھی ہو گئی تب بھی آپ کے چہرے پر بُری لگے گی۔

کارکردگی

ہمارے ہاں اجتماعی طور پر افراد کی کارکردگی کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مختلف عہدوں کے لیے مطلوبہ صلاحیت کے لوگ ملنا مشکل ہے، مگر تربیت کے ذریعے ان کی کارکردگی بڑھائی جا سکتی ہے۔ اور اسی انداز سے ہم اپنی پیداواری صلاحیت بڑھا سکتے ہیں۔ ہماری تباہی کی ایک بڑی وجہ تساہل اور کاہلی ہے۔ اس بیماری میں پوری قوم عموماً مبتلا ہے۔

کفایت شعاری

ہم لوگ فضول خرچی، بلند معیارِ زندگی اور مغربی ثقافتی رویوں کے اظہار کے مقابلے میں مبتلا ہیں۔ زندگی کے اکثر معاملات میں ہم فضول خرچی کا شکار ہیں۔ یہاں توازن پیدا کرنے اور کفایت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کفایت شعاری ہی سے خود انحصاری آئے گی۔

نوجوان نسل

ہر ادارے، سوسائٹی، تعلیمی و رفاہی ادارے کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ نوجوان نسل میں آج کے دَور کے مطابق مطلوبہ صلاحیتیں پیدا ہوں۔ اس سلسلے میں مختلف پروگرام بنائے جا سکتے ہیں۔ جس میں تربیتی موضوعات پر گفتگو، تقریر، تحریر، فنِ انتظام، درخواست ملازمت، انٹرویو، اور کام کرنے کے طریقے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی کیریئر پلاننگ اور مستقبل میں ان کی ضرورت پر گفتگو بھی شامل ہے۔ نوجوانوں کو سیلف ایمپلائمنٹ کی جانب ترغیب دینے کے لیے پڑھے لکھے اور برسرِملازمت لوگ اپنا کردار ادا کریں۔

ملک بھر میں تعلیمی اور فنی قافلے ترتیب دیے جائیں، جو دیہاتوں میں جا کر اجتماعی تربیت کا کام کریں۔

وقت کا استعمال

افراد میں وقت کی قدروقیمت کا احساس پیدا کیا جائے اور اس کے بہتر استعمال کے سلسلے میں رہنمائی کی جائے۔

اندھیروں میں ہمیں اپنے کچھ دیے جلانا چاہئیں۔ عزم کریں کہ آئندہ اپنی اصلاح اور ترقی کے ساتھ ساتھ خیر کے کچھ کام کریں۔

۱- کسی ایک فرد کے اندر مثبت اندازِ فکر پیدا کریں۔
۲- کسی ایک فرد کے کیریئر کے لیے رہنمائی کریں۔ کسی ایک فرد کو برسرِروزگار کر دیں۔
۳- کسی ایک لڑکے اور لڑکی کا رشتہ اپنی کوشش سے کرا دیں۔
۴- کسی ایک کو شاہراہ مستقیم پر لا کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر لگا دیں۔

دیکھیے "ڈوبتا ہوا سورج پوچھ رہا ہے کہ ہے کوئی جو میری جگہ لے۔ جلدی سے کہہ دیجیے "ہاں میں کوشش کروں گا"۔ آپ کوشش کیجیے۔ اللہ تعالیٰ کا نظام برکت کا نظام ہے۔ وہ آپ کی کوشش کے ایک بندے کے ساتھ صفر لگا کر اس کی قدر بڑھا دے گا۔ آپ کا اخلاص جس قدر زیادہ ہو گا صفر اسی قدر زیادہ لگتے رہیں گے۔

پھر کہیے "ہاں میں کوشش کروں گا۔"

پُر اُمید رہیے

یاد رکھیے' ہمارا کام کوشش کرنا ہے' اور ہمارا حساب و کتاب اخلاص اور کوشش کے حوالے ہی سے پیش ہوتا ہے۔ خلوص نیت' دُور اندیشی' باریک بینی کے ساتھ منصوبہ بندی اور وسائل کا بروقت استعمال' مسائل کا مناسب حل' وقت کا بہتر استعمال' بہتر انسانی تعلقات' عصری تقاضوں کے مطابق ٹیکنالوجی کا استعمال' اور لحہ بہ لحہ جائزہ و احتساب' ہمیں شاہراہ کامیابی پر گامزن کر سکتا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے راستے پر چلنے والے ہیں وہ اپنی سستی' کاہلی' خودپسندی' لالچ اور تنگ نظری کو چھوڑ کر مندرجہ بالا عوامل کے مطابق اپنے راستے پر سفر کریں۔ انھیں نتائج کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ نتائج خود اس قسم کے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ انھیں ہمارے دروازے کھلے ملیں۔

اس دنیا میں تو ہمارے لیے نتائج صرف یہ ہیں کہ جب رات کو نیند کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہوں تو دِل اس بات پر گواہ ہو کہ اے انسان (آپ اپنا نام لیجیے)' میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو آج' کل کے مقابلے میں اللہ سے قریب تر ہوا ہے' شیطان سے دُور ہوا ہے' تُو جنت سے قریب تر ہوا ہے' تُو دوزخ سے دُور ہوا ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ آپ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں۔ اللہ کا یقینی وعدہ ہے کہ جو نعمتوں پر شکر کرے گا اُسے وہ ضرور مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ اس کے بعد محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیے۔ اپنے مسائل اور معاملات کے حل کے لیے اپنے ذہن کو قرآن اور حدیث کی جانب لے جایئے اور پھر اسی حوالے سے کل کی تیاری کیجیے۔

یقیناً آپ چراغ ہیں۔ آپ نے سورج کے مقابلےمیں کہا تھا کہ ہاں میں کوشش کروں گا / کروں گی۔ جنت الفردوس میں آپ کی کوشش اور اللہ کی برکت کے حوالے سے آپ کے لیے باغات تیار ہو رہے ہیں۔ آپ کوشش کیجیے۔ اگر آپ تھک گئے ہیں، تو بھی روشنی دینے کی کوشش کیجیے۔ دنیا کو آپ کے اخلاص اور آپ کی کوشش کی ضرورت ہے۔ اور جب موت کی چادر ہمیں لپیٹنے کے لیے آئے تو ہمارے اندر سے یہ آواز آ رہی ہو۔

ہمیں یقیں ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

پھر جب حالتِ نزع میں ہمارے ذہن میں یہ قرآنی آیت آئے ---- "اے ایمان لانے والو، اللہ سے ڈرو، اور تم میں سے ہر متنفس یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے" ---- تو ہمیں یہ امید ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سرمایۂ عمل کو قبول فرمائے گا، اپنی عفو و رحمت سے ہماری بخشش فرمائے گا، اور ہم اپنے آخری سفر پر جانے کے لیے لبیک کہتے ہوئے کلمۂ شہادت پڑھ رہے ہوں۔

اسلام اور مغرب

مستقبل کا منظر نامہ
تہذیبوں کا تصادم
(۲)

سیموئیل پی ہنٹنگٹن / ترجمہ و تلخیص : مسلم سجاد

ہم تہذیب ممالک کا تعاون

ایک تہذیب سے وابستہ ملک یا ملکوں کی دوسری تہذیب سے وابستہ لوگوں سے جنگ ہو جائے تو فطری طور پر وہ اپنے ہم تہذیب ممالک کو مدد پر بلاتے ہیں۔ سرد جنگ کے بعد کے دور میں' سیاسی نظریات یا توازنِ اقتدار کے روایتی تصورات کے بجائے' تہذیبی تعاون محسوس کیا جا سکتا ہے۔ خلیج' کاکیشیا' اور بوسنیا میں بڑے پیمانہ پر جنگیں نہیں لڑی گئیں' لیکن ان میں ہم تہذیب ممالک کو اپنے گرد جمع کرنے کا عنصر سامنے آیا۔ اس میں مستقبل کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

جنگِ خلیج اور دہرے معیار

۱۔ خلیج کی جنگ میں ایک عرب ملک نے دوسرے پر حملہ کر دیا' اور پھر عرب' مغربی اور دوسرے ملکوں کی متحدہ طاقت کے خلاف لڑائی لڑی۔ چند مسلمان ملکوں نے صدام حسین کی کھُل کر حمایت کی' عربوں کے اشرافیہ نے اندرونی طور پر اس کی حوصلہ افزائی کی' اور عرب عوام میں اس نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی۔ اسلامی بنیاد پرست تحریکوں نے' مغرب کی حمایت یافتہ کویت اور سعودی عرب حکومت کے مقابلہ میں' متفقہ طور پر صدام حسین کی حمایت کی۔ صدام حسین نے عرب قومیت کا نعرہ ترک کرکے کھُل کر اسلام کی بنیاد پر اپیل کی۔ ایک عرب عالم نے کہا کہ "یہ عراق کے خلاف دنیا کی جنگ نہیں' بلکہ اسلام کے خلاف مغرب کی جنگ ہے"۔ ایران عراق دشمنی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای نے مغرب کے خلاف جہاد کے لیے

پکارا۔ جو عرب حکومتیں عراق مخالف اتحاد میں شامل تھیں' صدام حسین کی اس عمومی حمایت کی وجہ سے انھوں نے اپنا رویہ نرم کیا' اور ۱۹۹۲ میں نو فلائی زون اور ۱۹۹۳ میں عراق پر بمباری کے فیصلوں سے اپنا فاصلہ برقرار رکھا۔ ۱۹۹۰ کا عظیم اتحاد ۱۹۹۳ میں صرف کویت اور مغربی طاقتوں کا اتحاد رہ گیا تھا۔

مسلمانوں نے عراق کے خلاف مغرب کے طرز عمل کا' سربوں کے مقابلے میں بوسنیا کے مسلمانوں کے تحفظ میں اور اسرائیل پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی پر پابندیاں لگانے میں ناکامی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ مغرب دہرے معیارات پر عمل کر رہا ہے۔ تہذیبی تصادم کی دنیا دہرے معیار کی دنیا ہوتی ہے۔ لوگ اپنے ہم تہذیب ممالک پر ایک معیار کا اطلاق کرتے ہیں اور دوسروں پر بالکل دوسرے معیار کا۔

مذہبی تعلق کی اہمیت

۲ - سابق سوویت یونین کے تنازعات میں بھی ہم تہذیب ملکوں کے تعاون کا اظہار ہوا ہے۔ ۱۹۹۲' ۱۹۹۳ میں آرمینیا کی فوجی کامیابیوں نے ترکی کو اپنے ہم نسل' ہم زبان اور ہم مذہب آذریوں کی حمایت پر آمادہ کیا۔ اپنے آخری زمانہ میں روس کی حکومت نے آذربائیجان کی حمایت اس لیے کی تھی کہ وہاں کی حکومت سابق کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں تھی۔ سوویت یونین کے خاتمہ پر مذہبی عنصر کو اہمیت حاصل ہو گئی۔ روسی فوجوں نے آرمینیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی' اور آذربائیجان کی حکومت نے روسی حکومت پر الزام لگایا کہ وہ آرمنی عیسائیوں کی حمایت میں ۱۸۰ درجہ پلٹ گئی ہے۔

ہم مذہبوں کی حمایت

۳ - سابق یوگوسلاویہ میں لڑائی میں مسلمانوں پر کروٹ حملوں' اور بوسنیا کے ٹکڑے کرنے میں اس کے کردار پر کوئی تشویش ظاہر نہیں کی گئی۔ جرمنی اور یورپی برادری کے گیارہ ممبر ملکوں نے سلاوینا اور کروشیا کو تسلیم کرنے میں کوئی تاخیر نہ کی۔ ویٹکن نے تو ان کیتھولک ریاستوں کو یورپی برادری سے پہلے تسلیم کر لیا۔ امریکہ نے یورپ کی پیروی کی۔ اس طرح مغربی تہذیب کے اہم ممالک اپنے ہم مذہبوں کی پشت پر جمع ہو گئے۔ روس میں یالسٹن کی حکومت نے درمیانہ راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی تاکہ سرب بھی ناراض نہ ہوں' اور مغرب سے علاحدہ روش بھی نہ ہو۔ تاہم روس کے قدامت پسند نیشنلسٹ گروہوں نے سربوں کی کھل کر حمایت نہ کرنے پر

حکومت پر تنقید کی۔ ۱۹۹۳ کے اوائل میں مغربی افواج کے ساتھ کئی سو روسی لڑ رہے تھے اور روسی اسلحہ بھی سربیا کو فراہم کیا جا رہا تھا۔

مسلمان اور ان کی حکومتیں' بوسنیا کے مسلمانوں کی مدد نہ کرنے پر' مغرب کو موردِ الزام قرار دے رہی تھیں۔ ایرانی رہنماؤں نے پوری دنیا کے مسلمانوں سے بوسنیا کے مسلمانوں کی امداد کی اپیل کی۔ ۱۹۹۲ تک دو درجن مسلم ممالک سے چار ہزار رضاکار بوسنیا میں لڑائی میں مصروف تھے۔ سعودی عرب اور دوسری مسلمان حکومتوں پر ان کے ملک کے بنیاد پرستوں کا سخت دباؤ تھا کہ بوسنیا کی بڑے پیمانے پر کھل کر مدد کی جائے۔

ہم تہذیب ملکوں اور گروہوں کے درمیان بھی تنازعات ہو سکتے ہیں' لیکن ایسے تنازعات دو مختلف تہذیبوں کے درمیان واقع ہونے والے تنازعات کے مقابلے میں کم سنگین ہوتے ہیں' اور زیادہ وسعت اور شدت بھی اختیار نہیں کرتے۔ ایک تہذیب سے تعلق کا اشتراک ایسے حالات میں تشدد کے امکانات کم کر دیتا ہے' جن میں بصورت دیگر اس کے زیادہ امکانات ہوتے۔

سابقہ سوویت یونین میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی' اور مغربی اور آرتھوڈکس عیسائیوں کے درمیان بالٹک ریاستوں میں شدید کشمکش رہی' اور کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں' لیکن روس اور یوکرائن کے درمیان کئی نزاعی امور کے باوجود عملاً کسی پُرتشدد کارروائی کی نوبت نہ آئی۔ اس لیے کہ دونوں سلاوک اور پروٹسٹنٹ ہیں۔

تہذیب کی بنیاد پر جمع ہونے کا عمل ابھی محدود ہے' لیکن اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس میں مزید اضافہ کے امکانات ہیں۔ مقبول عوامی سیاستدان' سیاسی رہنماؤں اور میڈیا نے عوامی حمایت حاصل کرنے کا اور تذبذب کی شکار حکومتوں پر دباؤ ڈالنے کا ایک موثر ذریعہ پایا ہے۔ آنے والے برسوں میں ایسے مقامی تنازعات' جو بڑی جنگوں کی صورت اختیار کر سکتے ہیں' تہذیبوں کے درمیان خطوطِ اتصال پر ہوں گے۔

مستقبل کی عالمی جنگ اگر ہوئی تو تہذیبوں کے درمیان ہوگی۔

مغربی اور دیگر ممالک کی کشمکش

موجودہ صورتِ حال

دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں آج مغربی تہذیب غیر معمولی طاقت کی حامل ہے اور اپنی معراج پر ہے۔ اس کی مخالف سُپرپاور نقشہ سے غائب ہو چکی ہے۔ مغربی ممالک کے درمیان باہمی

جنگ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مغرب کی فوجی طاقت کا اب کوئی مقابل نہیں ہے۔ جاپان کے علاوہ مغرب کو کوئی معاشی چیلنج درپیش نہیں ہے۔ دنیا کے سیاسی اور سلامتی کے اداروں پر مغرب کو خود' اور معاشی اداروں پر جاپان کے ساتھ مل کر اسے غلبہ حاصل ہے۔ امریکہ' برطانیہ اور فرانس کی نظامت دنیا کے سیاسی مسائل اور سلامتی کے امور کا تصفیہ کرتی ہے' اور امریکہ' جرمنی اور جاپان کی نظامت معاشی مسائل طے کرتی ہے۔ یہ سب آپس میں گہرے رابطے رکھتے ہیں اور دوسرے بیشتر غیر مغربی ملکوں کو نظرانداز کرتے ہیں۔ سلامتی کونسل اور آئی ایم ایف کے وہ فیصلے جو مغرب کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر کیے جاتے ہیں' دنیا میں اس طرح پیش کیے جاتے ہیں کہ جیسے وہ عالمی برادری کی آرزوؤں کے مطابق ہیں۔

اب "عالمی برادری" کے الفاظ امریکہ اور مغربی طاقتوں کے مفادات کی ترجمانی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مغرب آئی ایم ایف اور دوسرے عالمی معاشی اداروں کے ذریعے اپنے معاشی مفادات کو فروغ دیتا ہے اور دوسری قوموں پر ایسی معاشی پالیسیاں نافذ کرتا ہے جو وہ مناسب سمجھتا ہے۔ اگر غیر مغربی عوام سے رائے لی جائے تو آئی ایم ایف کو وزرائے خزانہ اور چند دوسرے افراد کی حمایت تو ملے گی لیکن عظیم اکثریت اسے ناپسند کرے گی۔ جارجی آرباتوف کے الفاظ میں اس کے افسران "ایسے نئے بالشویک ہیں جو دوسرے لوگوں کی رقوم غصب کرتے ہیں' سیاسی اور معاشی دائرہ میں غیرجمہوری قواعد نافذ کرتے ہیں اور معاشی آزادی ختم کردیتے ہیں۔"

سلامتی کونسل پر مغربی طاقتوں کے غلبہ نے مغرب کے عراق کو کویت سے نکالنے اور عراق کی فوجی قوت ختم کرنے کے اقدام کو اقوام متحدہ کی چھتری مہیا کی۔ اسی وجہ سے امریکہ' برطانیہ اور فرانس نے سلامتی کونسل سے ایک ایسا مطالبہ کروایا جس کی پہلے کوئی نظیر نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ لیبیا' پین ایم ۱۰۳ جہاز پر بمباری کے مشتبہ ملزمان کو حوالے کرے۔ اور نہ کرنے پر لیبیا پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ سب سے بڑی عرب فوج کو شکست دینے کے بعد مغرب نے عرب دنیا میں اپنا وزن استعمال کرنے میں دیر نہیں کی۔ دراصل مغرب بین الاقوامی اداروں کو' اپنی فوجی قوت کو اور معاشی وسائل کو' دنیا اس طرح چلانے میں استعمال کررہا ہے کہ مغرب کا غلبہ برقرار رہے' مغربی مفادات کا تحفظ ہو' اور مغرب کی سیاسی اور معاشی اقدار کو فروغ حاصل ہو۔

نئی دنیا کے بارے میں غیر مغربی طاقتوں کا یہ نقطۂ نظر ہے۔ اس میں بڑی حد تک سچائی ہے۔

بنیادی اختلافات

مغربی اور دیگر تہذیبوں کے درمیان کشمکش کا ایک دائرہ فوجی اور معاشی طاقت کے حصول کی کوشش ہے۔ ایک دوسرا دائرہ بنیادی عقائد اور اقدار میں اختلاف کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مغربی تہذیب آفاقی ہے اور سب انسانوں کے لیے ہے۔ سطحی طور پر دیکھا جائے تو مغربی ثقافت پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ لیکن گہرائی میں جاکر دیکھیں تو مغربی تصورات دوسری تہذیبوں کے تصورات سے بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ انسانی حقوق' مساوات' آزادی' جمہوریت' فری مارکیٹ' قانون کی حکومت اور مذہب اور سیاست کی علاحدگی کے مغربی تصورات' اسلامی' جاپانی' ہندو' یا دیگر تہذیبوں میں بہت کم ملتے ہیں۔ مغرب کے ان تصورات کی اشاعت کی کوششوں کا عموماً الٹا ردعمل ہوتا ہے' جس کا اظہار غیرمغربی تہذیبوں میں مذہبی بنیاد پرستی کے لیے نوجوان نسل کی حمایت سے ہوتا ہے۔

مستقبل کی عالمی سیاست

مستقبل میں عالمی سیاست کا محور مغربی اور غیر مغربی طاقتوں کی کشمکش اور غیرمغربی تہذیبوں کا مغربی طاقت اور اقدار سے خلاف ردعمل ہوگا۔ یہ ردعمل تین طرح کا ہو سکتا ہے۔ برما اور شمالی کوریا کی طرح اپنے کو دنیا سے الگ تھلگ کرلینا' مغرب کی اقدار اور اداروں کو قبول کرلینا' یا اپنی سیاسی و معاشی طاقت میں اضافہ کرکے اور دوسری غیر مغربی طاقتوں کے تعاون سے مغرب کے مقابلہ میں توازن حاصل کرنا' یعنی اپنے معاشروں کو جدید تو بنانا لیکن مغرب زدہ نہ بنانا۔

منقسم ممالک

ترکی کی مثال

مستقبل میں جوں جوں لوگ اپنی شناخت اپنی تہذیب کی بنیاد پر کریں گے' سوویت یونین اور یوگوسلاویہ جیسے ممالک' جہاں مختلف تہذیبوں سے متعلق لوگوں کی آبادیاں ہیں' ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں گے۔ کچھ دوسرے ممالک ہیں جہاں ثقافتی ہم آہنگی تو ہے لیکن اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ ان کا ملک دراصل کس تہذیب سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ منقسم ممالک ہیں۔ ان کے قائدین ملک کو مغرب کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں' لیکن ان ممالک کی تاریخ' روایات' ثقافت

سب غیر مغربی ہیں۔ اس کا ایک واضح نمونہ ترکی ہے۔ اتاترک کی پیروی کرتے ہوئے اس کے قائدین ترکی کو ایک جدید سیکولر مغربی ریاست قرار دیتے ہیں۔ ناٹو اور خلیج کی جنگ میں وہ مغرب کی طرف تھے۔ انھوں نے یورپی برادری کی رکنیت کے لیے درخواست دی۔ دوسری طرف ترکی میں اسلامی احیا کے حامی عناصر ہیں جو ترکی کو بنیادی طور پر شرق اوسط کا مسلمان ملک قرار دیتے ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ ترک قیادت ملک کو مغرب کا ملک قرار دیتی ہے' لیکن مغرب کی قیادت کو ترکی کی یہ حیثیت تسلیم نہیں ہے۔ ترکی یورپی برادری کا ممبر نہیں بن سکا ہے اور جیسا کہ صدر اوزال نے کہا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ "ہم مسلمان ہیں اور وہ عیسائی' لیکن وہ یہ مانیں گے نہیں۔"

اسلام کو انھوں نے خود ردّ کر دیا۔ مغرب نے ان کو ردّ کر دیا۔ اب وہ کہاں جائیں ؟ شاید اس کا جواب تاشقند ہے۔ سوویت یونین کے خاتمہ نے ترکی کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ ترک تہذیب کے احیا کی قیادت کرے۔ اس میں یونان سے چین تک سات ممالک آتے ہیں۔ مغرب سے حوصلہ افزائی پاکر' ترکی اپنی اس نئی شناخت کے لیے سنجیدہ کوششیں کر رہا ہے۔

منقسم ملک کی ایک مثال میکسیکو ہے۔ اس کی ایک اور مثال روس بھی ہے' جہاں رائے عامہ اس بات پر منقسم ہے کہ روس دراصل مغرب کا حصہ ہے یا اسے ایشیائی ملک کی حیثیت سے اپنی پالیسیاں ترتیب دینا چاہئیں۔

شناخت کی شرائط

ایک منقسم ملک کو اپنی تہذیبی شناخت کسی ایک طرف وابستہ کرنے کے لیے تین شرائط پوری کرنا چاہئیں۔ اولاً اس کی سیاسی و معاشی قیادت کو اس اقدام کا پرجوش حامی ہونا چاہیے۔ ثانیاً اس کے عوام میں اسے تسلیم کرنے کے لیے آمادگی ہونا چاہیے۔ ثالثاً جس تہذیب سے وابستگی کے خواہاں ہیں اس کے غالب عناصر اسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہوں۔ میکسیکو میں تینوں شرائط پوری ہو رہی ہیں۔ لیکن ترکی میں صرف پہلی دو شرائط پوری ہوتی ہیں۔ جبکہ روس کی مغرب میں شمولیت کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ ایک بھی پوری ہوتی ہے۔

چین اور مسلم ممالک کا رابطہ

غیر مغربی ممالک کے مغرب کا حصہ بننے میں کئی رکاوٹیں ہیں۔ مشرقی یورپ اور لاطینی امریکہ کے ممالک کے لیے یہ سب سے کم ہیں۔ سابق سوویت یونین کے آرتھوڈکس ممالک

کے لیے یہ اس سے زیادہ ہیں۔ لیکن مسلمان' چینی' بدھ اور ہندو معاشروں کے لیے یہ اس سے بھی زائد ہیں۔ جاپان نے مغرب کی پیروی کرنے میں منفرد کامیابی حاصل کی ہے' پھر بھی کئی اعتبارات سے یہ مغرب سے مختلف ہے۔ جو ممالک اپنی ثقافت اور طاقت کی وجہ سے مغرب میں شامل نہیں ہونا چاہتے وہ اپنی معاشی ' سیاسی اور فوجی طاقت بڑھا کر مغرب سے مقابلہ پر آتے ہیں۔ اس کے لیے وہ داخلی محاذ پر ترقی کو فروغ دیتے ہیں اور خارجہ محاذ پر دوسرے غیر مغربی ممالک سے تعاون کرتے ہیں۔ اس تعاون کی سب سے نمایاں مثال چین اور مسلم ممالک کا رابطہ ہے جو مغربی مفادات' اقدار اور طاقت کے لیے چیلنج کی حیثیت سے ابھرا ہے۔

اسلحہ کے بارے میں پالیسی

مغربی ممالک اپنی فوجی طاقت میں کمی کر رہے ہیں اور یالسٹن کی قیادت میں روس بھی یہ کر رہا ہے۔ جب کہ چین' شمالی کوریا اور شرق اوسط کی کئی ریاستیں اپنی فوجی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ کر رہی ہیں۔ اسلحہ پر پابندی ایک مغربی تصور ہے۔ سرد جنگ کے دور میں اس کا مطلب یہ تھا کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں اور روس اور اس کے اتحادیوں کے درمیان ایک مستحکم فوجی توازن رہے۔ لیکن اب سرد جنگ کے بعد کے دور میں اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مغربی ممالک کو ایسی فوجی ترقی سے روکا جائے کہ وہ مغربی مفادات کے لیے خطرہ بن جائیں۔ مغرب بین الاقوامی معاہدات' معاشی دباؤ اور اسلحہ و ٹیکنالوجی کے تبادلہ پر پابندی کے ذریعے یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چین و مسلم ممالک' اور مغرب کے درمیان کشمکش نیوکلیئر' کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیار' بیلسٹک میزائل اور ان کو منتقل کرنے کے ذرائع پر مرکوز ہے۔ مغرب عدم پھیلاؤ کے تصور کو فروغ دیتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے عدم پھیلاؤ معاہدات اور نگران ٹیموں پر انحصار کرتا ہے۔ جو ملک اسلحہ کے پھیلاؤ میں شریک ہوتے ہیں انھیں پابندیوں کی دھمکی دی جاتی ہے اور جو نہیں شریک ہوتے انھیں کچھ فوائد بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ فطری طور پر مغرب کی توجہ ان ممالک پر زیادہ ہے جو مغرب دشمن ہیں۔

غیر مغربی ممالک چاہتے ہیں کہ اپنے استحکام کے لیے اپنی ضروریات کے مطابق جو اسلحہ چاہیں حاصل کریں۔ وہ بھارتی وزیر دفاع کی اس بات کی سچائی کو محسوس کرتے ہیں کہ "جب تک تمہارے پاس نیوکلیئر ہتھیار نہ ہوں' امریکہ سے جنگ نہ کرو۔" یہ سمجھا جاتا ہے کہ نیوکلیئر و کیمیائی ہتھیار اور میزائل مغرب کی روایتی بالادست فوجی طاقت کا برابری سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

چین کے پاس نیوکلیئر ہتھیار ہیں۔ انڈیا اور پاکستان انھیں استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ شمالی کوریا' ایران' عراق' لیبیا اور الجیریا انھیں حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

چین کا خطرہ

چین کی مسلسل بڑھتی ہوئی فوجی طاقت کی مغرب کے لیے مرکزی اہمیت ہے۔ چین نے غیرمعمولی معاشی ترقی سے طاقت پاکر فوجی اخراجات میں اضافہ کردیا ہے۔ یہ سابق سوویت ریاستوں سے اسلحہ خرید رہا ہے۔ یہ دُور تک مار کرنے والے میزائل تیار کررہا ہے۔ ۱۹۹۲ میں اس نے ایک میگاٹن بم کا دھماکہ کیا۔ جنوبی چین کے سمندر پر اس کی حاکیت کے دعووں نے مشرقی ایشیا کی ریاستوں میں اسلحہ کی دوڑ شروع کردی ہے۔ اس نے لیبیا اور عراق کو ایسی اشیا برآمد کی ہیں جن سے نیوکلیئر ہتھیار اور اعصابی گیس تیار ہوسکتی ہے۔ اس نے الجیریا کو ری ایکٹر بنانے میں مدد فراہم کی ہے۔ اس نے ایران کو نیوکلیئر ٹیکنالوجی اور پاکستان کو تین سو میل دور تک مار کرنے والے میزائل فروخت کیے ہیں۔ اسلحہ اور اسلحہ ٹیکنالوجی کا رخ مشرقی ایشیا سے شرق اوسط کی طرف ہے۔ چین نے پاکستان سے سنگر میزائل حاصل کیے ہیں۔

اسلحہ کی نئی دوڑ

اس طرح چین اور مسلم ممالک کا فوجی رابطہ وجود میں آگیا ہے تاکہ یہ زیادہ سے زیادہ اسلحہ حاصل کرکے مغرب کی فوجی طاقت سے توازن پیدا کرے۔ ماضی کی اسلحہ کی دوڑ میں دونوں فریق خود اپنا اسلحہ تیار کرتے تھے تاکہ دوسرے فریق پر بالادستی حاصل کریں۔ اسلحہ کی اس نئی دوڑ میں ایک فریق اپنا اسلحہ تیار کررہا ہے اور دوسرا اسے روکنے اور محدود کرنے کی کوشش کررہا ہے' اور ساتھ ہی اپنی فوجی صلاحیت کو کم کررہا ہے۔

مغرب کے لیے مضمرات

اس مقالہ میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ تہذیب کے حوالے سے شناخت دوسری تمام شناختوں کی جگہ لے لے گی' قومی ریاستیں ختم ہوجائیں گی' ہرتہذیب ایک واحد سیاسی اکائی کی صورت اختیار کرلے گی' اور ایک تہذیب کے دائرہ میں موجود گروہ ایک دوسرے سے نہیں لڑیں گے۔

اس مقالہ میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ تہذیبوں کے درمیان اختلافات حقیقی اور اہم ہیں۔ تہذیبی شعور میں اضافہ ہورہا ہے۔ تہذیبوں کے درمیان کشمکش عالمی سطح پر نظریاتی یا دوسری نوعیت کے تنازعات کی جگہ لے لے گی۔ بین الاقوامی سیاست کا کھیل' جو تاریخی طور پر

مغربی تہذیب کے اندر ہی اندر کھیلا جاتا تھا' آہستہ آہستہ ایک ایسا کھیل ہو جائے گا جس میں غیر مغربی طاقتیں محض دوسروں کا ہدف نہ ہوں گی بلکہ خود فعال کردار ادا کریں گی۔ ہم تہذیب ممالک ' نہ کہ مختلف تہذیبوں کے ملک' معاشی' سیاسی اور سلامتی کے بین الاقوامی کامیاب ادارے قائم کریں گے۔

ہم تہذیب گروہوں کے درمیان تنازعات کے مقابلے میں مختلف تہذیبوں کے گروہوں کے درمیان تنازعات زیادہ پُرتشدد ہوں گے' اور زیادہ دیر تک چلیں گے اور بار بار ہوں گے۔ مختلف تہذیبوں کے گروہوں کے درمیان واقع ہونے والے پُرتشدد تنازعات پھیل کر عالمی جنگ برپا کروا سکتے ہیں۔ عالمی سیاست کا محور مغرب اور باقی دنیا کے تعلقات ہوں گے۔ منقسم ممالک کے اشرافیہ اپنے ملک کو مغرب کا جزو بنانے کی کوشش کریں گے لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے میں بیشتر صورتوں میں انھیں رکاوٹوں کا سامنا ہوگا۔ مستقبل قریب میں محاذ آرائی کا ایک مرکز مغرب اور چین اور متعدد مسلم ممالک ہوں گے۔ ان باتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ محاذ آرائی اور تصادم مطلوب ہے۔ یہ صرف ایک نقشہ ہے کہ مستقبل کیسا ہو سکتا ہے۔ اگر یہ ممکن الوقوع محسوس ہوتا ہے تو مغربی پالیسی کے لیے اس کے مضمرات پر غور کرنا چاہیے۔ ان مضمرات کو مختصر اور طویل کے حوالے سے تقسیم کرنا چاہیے۔

مختصر المیعاد اقدامات

مختصر مدت کے حوالے سے یہ مغرب کے مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ خود اپنے ہم تہذیب ممالک خصوصاً امریکہ اور یورپ کے درمیان زیادہ تعاون کو فروغ دے' مغربی یورپ اور لاطینی امریکہ کے معاشروں کو مغرب میں ضم کرے' روس اور جاپان کے ساتھ باہمی تعاون کے تعلقات کو قائم رکھے اور فروغ دے' مقامی بین التہذیبی تنازعات کو بڑے تنازعات بننے سے روکے' مغرب کی فوجی صلاحیت میں کمی کرنے کی پالیسی میں اعتدال پیدا کرے اور مشرقی اور جنوب مغربی ایشیا پر اپنی فوجی بالادستی برقرار رکھے۔ ان بین الاقوامی اداروں کو مضبوط کرے جو مغربی مفادات اور اقدار کو جواز مہیا کرتے ہیں اور ان میں غیر مغربی ممالک کی شمولیت کی حوصلہ افزائی کرے۔

طویل المیعاد اقدامات

طویل مدت کے حوالے سے کچھ دوسرے اقدامات کی ضرورت ہے۔ مغربی تہذیب' مغربی بھی ہے اور جدید بھی۔ غیر مغربی تہذیبوں نے مغرب زدہ ہوئے بغیر جدید بننے کی کوشش کی ہے۔ جاپان نے اس میں مکمل کامیابی حاصل کی ہے۔ غیر مغربی طاقتیں وہ دولت و طاقت' ٹیکنالوجی'

مہارت، مشینیں اور اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گی جو جدید ہونے کی علامت ہیں۔ وہ اسے روایتی اقدار سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں گی۔ مغرب کے بمقابل ان کی معاشی اور فوجی قوت میں اضافہ ہوگا۔ مغرب کو آہستہ آہستہ ان غیر مغربی تہذیبوں کے ساتھ مفاہمت کرنا ہوگی جو طاقت میں مغرب کے ہم پلہ ہوں گی، لیکن جن کی اقدار اور مفادات مغرب سے مختلف ہوں گے۔ اس کا تقاضا ہوگا کہ مغرب اپنی معاشی اور فوجی طاقت برقرار رکھے تاکہ ان تہذیبوں کے مقابلے میں اپنے مفادات کا تحفظ کرسکے۔ اس کا یہ تقاضا بھی ہوگا کہ مغرب دوسری تہذیبوں کی فلسفیانہ اور مذہبی بنیادوں کا بہتر فہم حاصل کرے اور معلوم کرے کہ وہ لوگ خود اپنے مفادات کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس میں یہ کوشش بھی شامل ہوگی کہ مغربی اور دوسری تہذیبوں کے درمیان نقطہ ہائے اشتراک متعین کیے جائیں۔ مستقبل زیر بحث میں، کوئی ایک آفاقی تہذیب نہ ہوگی، بلکہ یہ دنیا مختلف تہذیبوں کی دنیا ہوگی، جن میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ رہنا سیکھنا ہوگا۔

سفرِ جستجو

ایک مغربی طالبہ، پاکستان میں ایک ماہ

صوفیہ جیلیٹ / ترجمہ و تلخیص : مسلم سجاد

صوفیہ، یونیورسٹی آف ویلز (Wales) کے مرکز علوم اسلامی میں اس موضوع پر تحقیقی مطالعہ کر رہی ہیں کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی نئی نسل نے مغربی تہذیب کے ساتھ عملاً کیا رویہ اختیار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام اور مسلمانوں کو سمجھنے کے لیے انھوں نے ایک ماہ پاکستان میں گزارا۔ واپس جاکر انھوں نے اپنے تاثرات لکھے ہیں جو سفرِ جستجو کی رُوداد محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے کچھ حصے یہاں پیش کیے جارہے ہیں (خ - م)۔

چند دن ہوئے، پاکستان میں ایک یادگار مہینہ گزار کر میں برطانیہ واپس پہنچی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ ابھی، جب کہ یادیں تازہ ہیں، اپنے تاثرات و احساسات کو الفاظ کا قالب دینے کی کوشش کروں۔

جب تک یہ سفر شروع نہیں ہوا، مجھے اندازہ نہ تھا کہ میرے اندر اس کی کتنی خواہش تھی۔ اس کا احساس مجھے ہیتھرو ایئرپورٹ پر انتظار کے لمحات گزارتے ہوئے ہوا۔ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے لوگوں کو دیکھنے کا یہ میرا پہلا موقع تھا۔ مجھے سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ مجھے اس بات پر بڑی خوشی تھی کہ میں یہ جانتی تھی کہ انھوں نے یہ لباس کیوں پہنا ہے، اور جس جگہ وہ جارہے ہیں، اس کی اہمیت کیا ہے۔

سفر کی دعا

جدہ سے اسلام آباد جانے کا انتظار کرنے والے، ان مسلمانوں جیسے تھے جو برطانیہ میں سڑکوں پر، اسکولوں میں اور پارکوں میں نظر آتے ہیں۔ اب یہ اپنے آبائی گھر ملنے ملانے جارہے

تھے۔ میرے لیے ایک مسلمان ایئرلائن پر سفر کا یہ تجربہ بہت قیمتی تھا۔ مجھے اس دعا سے بڑا سکون حاصل ہوا جو اللہ کے رسولؐ سفر کے آغاز پر کرتے تھے اور جو روانگی سے پہلے ہمیں سنائی گئی۔ جدہ ایئرپورٹ پر مختصر قیام میں' لوگوں کا سامان کسی نگرانی کے بغیر ادھر ادھر پڑا دیکھ کر مجھے اپنا معاشرہ یاد آگیا جہاں ہر وقت چوری کا ڈر رہتا ہے۔ میں نے تو یہاں بھی عادتاً" اپنا سامان برابر اپنے ہاتھوں میں پکڑے رکھا۔ اگرچہ جس خاتون نے میرا سامان چیک کیا' اس نے اپنا چہرہ کرختگی سے اس طرح آراستہ کر رکھا تھا کہ میں یہ آرزو ہی کرتی رہ گئی کہ کاش یہ مسکرا دے۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ یہ یقیناً اسلام کی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہے۔

کلچر شاک

پاکستان میں اپنا پہلا گھنٹہ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ سے نکلتے ہی مسجد پر نظر پڑ گئی۔ برطانیہ سے آنے والے کے لیے یہ نظارہ غیر معمولی تھا۔ مجھے یہ سوچ کر بہت اچھا لگا کہ آئندہ ایک مہینہ یہ نظارے روز مرّہ ہوں گے۔

ایئرپورٹ سے شہر کی طرف روانہ ہوئے تو وہ ماحول اور مناظر آنکھوں کے سامنے آتے چلے گئے جن کی پیش بینی میں نے اپنے تخیل میں ایک طویل عرصے سے کر رکھی تھی۔ غروبِ آفتاب کا منظر ایسا حسین تھا جیسا میں نے پہلے زندگی میں شاید نہ دیکھا تھا۔ نئے مناظر' نئی خوشبوئیں' نئی آوازیں' میرے احساسات پر چھا گئیں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ پاکستان میں شروع کے دنوں میں تمہیں کلچر شاک (Culture Shock) لگے گا۔ مگر حیرت انگیز طور پر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ میں نے اپنے کو آس پاس کی زندگی میں بالکل جذب پایا۔ جو کچھ بھی میں نے دیکھا اس میں کھو گئی۔ رہا کلچر شاک' تو میرے پاس اس کا وقت تھا نہ ارادہ' کہ اپنے کو الگ الگ رکھتی اور یہ شاک محسوس کرتی۔

چند دنوں میں ہی مجھے احساس ہو گیا کہ برطانیہ کے مقابلے میں یہاں' میں چوبیس گھنٹہ فیلڈ ورک کر رہی ہوں۔ میں ہر وقت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ مجھے ہر لحہ یہ خیال رکھنا تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں' یا کیا کہہ رہی ہوں۔ بڑی فکر تھی کہ میری کوئی بات کسی کو بُری نہ لگ جائے' خصوصاً اس لیے کہ میں زیادہ تر گھر والوں کے ساتھ رہی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں ہمیشہ' پہلے سے' بعد کے لیے سوچوں۔ یہ نہایت تھکا دینے والا عمل ہے۔ لیکن جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میری اپنی اقدار اور خیالات اپنے میزبانوں سے اتنے ہم آہنگ تھے کہ جلد ہی میرا یہ احساس ختم ہو گیا' کہ میں ان سے مختلف ہوں۔

پہلے ہفتے سب سے بڑی مہم آزاد کشمیر میں میرپور کی تھی۔ بریڈ فورڈ میں بیشتر مسلمان اسی علاقے کے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی تھی کہ میرے پروگرام میں یہاں آنا بھی شامل ہے۔ لیکن یہاں جانے کے لیے تین گھنٹہ کے سفر نے پاکستان میں زندگی کے عارضی ہونے کی حقیقت خوب سکھا دی۔ لاہور جانے والی جی ٹی روڈ پر' جس پر ہم دو گھنٹہ چلے' بالکل افراتفری کا عالم تھا۔ اتنی خطرناک اوور ٹیکنگ ہو رہی تھی کہ مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالکوں کو بھی اللہ یاد آرہا تھا۔ بہرحال بیڈفورڈ ٹرکوں سے بچتے بچاتے اور کبھی بالکل چھوتے' ہم بالآخر میرپور پہنچ گئے۔

اسی شام میرے میزبان کی ایک بیٹی نے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی۔ جس تیزی سے اس نے میری ہتھیلیوں پر نقش و نگار بنائے اس نے مجھے حیران کردیا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ پاکستانیوں کو رنگ و روغن بہت پسند ہے' خواہ ہاتھوں پر ہو ' یا بسوں پر یا فواروں پر۔

میرپور میں' میں جہاں بھی گئی' بالکل گھر کا ماحول ملا۔ قریب کے ایک گاؤں میں اسکول دیکھا' مسجد دیکھی اور کئی گھروں میں بھی گئی۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں نے سوچا تھا۔ ان سب سے مل کر میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت محسوس کررہی تھی۔ اب میں اس کلچر شاک کا اندازہ کرسکی جو ۱۹۶۰ کے عشرے میں میرپور سے سب سے پہلے برطانیہ جانے والوں نے وہاں جاکر محسوس کیا ہوگا۔ وہ صرف ایک ملک سے دوسرے ملک نہیں گئے' بلکہ دیہی سے بالکل مختلف پس منظر کے شہری ماحول میں منتقل ہوئے تھے۔ باسمتی چاول کی فصلوں کے درمیان چلنا بھی خوشگوار حیرت لیے ہوئے تھا۔ اب تک تو میں یہی سمجھتی تھی کہ شاید چاول سپر مارکیٹ کی شیلفوں میں اُگتے ہیں!

راستے کی نماز

اسلام آباد سے واپسی پر درمیان میں نماز کا وقت آگیا۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کرکے روک لی۔ ہمارے ساتھیوں نے نماز پڑھی۔ چٹائی نہ ہونے کی وجہ سے ان میں ایک نے بنچ پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ میرے لیے یہ سب کچھ حیرت کا باعث تھا۔ اب تو میرے لیے یہ معمول کی بات ہوگئی تھی کہ میرے آس پاس کے لوگ دن کے معمولات میں نماز کے لحاظ سے وقفے دیں۔ نماز جس طرح کسی غیر معمولی اہتمام کے بغیر ادا کرلی جاتی تھی اس سے میں بہت متاثر ہوئی۔ لیکن ڈرائیور کی یہ منطق میری فہم سے بالا تھی کہ وہ گاڑی خوفناک رفتار سے چلاتا' مگر نماز کے لیے روک لیتا تھا۔

پانچویں دن تک میں شلوار قمیص پہننے لگی تھی۔ اس سے مجھے اتنا آرام محسوس ہوا کہ میں

نے سوچا کہ کیوں نہ میں نے پہلے ہی دن سے یہ لباس پہن لیا۔

منصورہ کی طالبات

آئندہ چند روز لاہور کے لیے تھے۔ لاہور تاریخی اور تہذیبی روایات کا امین شہر ہے۔ یہاں کچھ شناسا چہروں سے ملنے کی بھی امید تھی۔ یہاں ایک غیر معمولی یادگار دن میں نے جماعت اسلامی کے ہیڈکوارٹر منصورہ میں گزارا۔ قاضی حسین احمد کی بیٹی خولہ میری گائیڈ تھیں۔ انھوں نے مجھے منصورہ میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے والی نوجوان طالبات سے ملوایا۔ میں نے اپنے سفر کے خوشگوار ترین لمحات یہاں گزارے۔ ہم نے آپس میں بات کی۔ خولہ ترجمانی کرتی جاتی تھیں۔ طالبات نے حمد اور قرآن کے بعض حصے سنائے۔ مجھے خوبصورت چوڑیاں اور خوش ذائقہ پھل اتنی محبت سے تحفہ میں دیے کہ بس کیا بیان کروں۔ اس وقت میں جس ماحول میں تھی' زندگی میں اس سے پہلے اس کا کبھی تجربہ نہ ہوا تھا۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ یہ لمحات مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ ان کے چہروں پر معصومیت کی ایسی دمک تھی جیسی ان کی ہم عمر لڑکیوں میں مغرب میں شاذ ہی ہوتی ہے۔

اس وقت مجھے یہ تاثرات لکھتے ہوئے بڑا لطف آرہا ہے۔ میں اپنی زندگی کے خوشگوار ترین لمحات سے جیسے دوبارہ گزر رہی ہوں۔ اس وقت ویلز میں ہوتے ہوئے بھی' مجھے ویلز کی اپنی یہ زندگی اتنی کوسوں دُور نظر آرہی ہے جتنی اس وقت تھی' جب میں پاکستان میں تھی۔

بادشاہی مسجد میں

لاہور میں ایک دن روایتی سیروسیاحت میں گزرا۔ میں بادشاہی مسجد میں آدھ گھنٹہ اپنے طور پر رہی۔ اس دوران عجیب کیفیات رہیں۔ یہ میری کتنی خوش قسمتی تھی کہ تہذیب و ثقافت کی اس شاندار علامت کو دیکھنے کا موقع ملا۔ نماز کے ماحول کو جذب کرنے سے گہرا داخلی سکون --- خود آگہی کا احساس --- اپنی اس جگہ یہاں موجودگی --- میرا ماضی' حال اور مستقبل --- بیان کرنا مشکل ہے۔ جب میں مسجد میں تھی تو میں نے اپنے طریقے سے عبادت کی۔ شاید میرے لیے یہ نہ کرنا ممکن نہ تھا۔ میں ایک ایسے مقام پر تھی جہاں میں اپنا یہ سفر' اپنی زندگی' اپنا مستقبل سب کچھ اللہ کے سپرد کرنا چاہتی تھی۔ یہ کرنے سے جیسے میں تازہ دَم ہوگئی۔ جب میں مسجد سے باہر آرہی تھی تو مجھے ایک ایسی حقیقت کا احساس ہوا جس سے میں نظری طور پر تو واقف تھی لیکن عملاً کچھ تجربہ نہ ہوا تھا۔ مسجد کی تعمیر کے انداز اور ہم آہنگی نے میری توجہ اللہ کی طرف کردی تھی۔ میری نظروں کے درمیان کوئی سجدہ گاہ حائل نہ تھی۔ قبلہ رُو' محراب میری نگاہوں

کا مرکز تھی۔ میرا شعور' عمارت سے ماورا اللہ کی طرف متوجہ تھا۔

دیہی ماحول کا حُسن

مجھے لاہور میں قریب کچھ دیہاتوں میں جانے کا موقع ملا۔ جو کچھ میں نے دیکھا ---- مکانات کی بناوٹ اور آرائش' فرنیچر (یا اس کا نہ ہونا!)' طغرے' مغربیت کے اثرات' کاشتکاری کے طریقے' خاندانی نظام ---- میرے لیے اتنا دلچسپ تھا کہ میں ان میں گم ہو گئی۔ ان سے دیہی زندگی میں رسوم و روایات اور اقدار کے کردار کے بارہ میں رائے قائم کرنے میں مجھے بہت مدد ملی۔

اس دن کے اختتام پر چند لحات میں نے شدید کیفیات میں گزارے۔ میں ایک گھر کی چھت پر کھڑی تھی۔ آفتاب عالم تاب کی آخری ساعتیں تھیں۔ شام کے وقت کے آسمان کے پس منظر میں ایک مسجد ایستادہ تھی۔ میرے اندر اس حسن کے خالق کے آگے اپنی زندگی پیش کرنے کا جذبہ پھر اُبھرا۔ میری یاد میں قرآن کی وہ آیات آئیں جن میں اس طرح کے خوبصورت قدرتی مناظر کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ دراصل ان کے خالق' اللہ کی نشانی ہیں۔ میں چھت پر کھڑی وہ آوازیں سن رہی تھی جن سے معلوم ہوتا تھا کہ دن ختم ہونے والا ہے۔ نیچے' لڑکے گرد آلود سڑکوں پر کھیل رہے تھے۔ ایک چھوٹا بچہ بکریوں کو واپس لا رہا تھا۔ بوڑھے لوگوں کے سروں پر جمع کی ہوئی فصل کے گٹھڑے رکھے تھے۔ بعد میں جب میں نیچے بیٹھی تھی تو سوچ رہی تھی کہ اس گھر میں اپنی موجودگی پر جتنا بھی نازاں ہوں کم ہے۔ ایک بالکل ہی مختلف ثقافت کی حامل' لیکن اس وقت پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں میں موجود ---- یہاں مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ جب میں برطانیہ واپس جاؤں گی تو اپنے وجود کا ایک حصہ یہیں چھوڑ جاؤں گی۔

تبلیغی جماعت کی کانفرنس

میں نے پاکستان کے اس سفر' بلکہ اپنی زندگی' کے سب سے زیادہ یادگار دن اس ہفتہ کے اختتام پر گزارے۔ انتظامات یہ کیے گئے تھے کہ میں ایک دن رائے ونڈ کے قریب ایک گاؤں میں گزاروں۔ مگر میرے گائیڈ طیب گلزار خاں نے اس سے پہلے مجھے رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کی کانفرنس دکھانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اتنی زیادہ ٹریفک زندگی میں کبھی نہ دیکھی تھی۔ ٹریفک پولیس بھی قابو نہیں کر پا رہی تھی۔ ہمارا ایک ساتھی اس دوران گاڑی سے اتر گیا۔ میں سوچتی رہ گئی کہ اب یہ ہم سے کیسے ملے گا۔ ہم آگے بڑھتے گئے اور بالآخر ایک جگہ کار پارک کر لی۔

کانفرنس میں خواتین کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے طیب کی تجویز پر میں نے شال

اوڑھ لی۔ ایسا لگا جیسے میں پارسل ہوگئی ہوں۔ چند ہی لمحوں بعد' ہمارے اس اقدام کی دانش مندی سامنے آگئی۔ نزدیکی گاؤں کی پھل بیچنے والی عورتوں کے علاوہ' میں دس لاکھ میں ایک کی اقلیت میں تھی۔ میرے لیے ماحول خوشگوار رہا تھا' تاہم میں شال میں مستور تھی ــــــ کانفرنس کی آخری دُعا شروع ہوئی۔ ہر دُعا کے اختتام پر آمین کی آواز گونج جاتی تھی۔ جلد ہی رِقّت طاری ہوگئی۔ میرے نہ سمجھنے سے مجھے کوئی فرق نہ پڑا' دوسروں کی کیفیت کا نظارہ ہی بہت تھا۔ بالکل ناقابلِ فراموش!

فضاؤں میں آخری آمین کی گونج ابھی باقی تھی کہ کانفرنس ختم ہوگئی۔ ہر طرف سے لوگ گاڑیوں کی طرف دوڑ پڑے۔ ہم ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ اسی دوران معجزہ رونما ہوا اور ہمارا جو ساتھی الگ ہوگیا تھا یک دم سامنے آیا اور سیدھا طیب کے گلے لگ گیا' جیسے بڑی مدت کے بعد آپس میں ملے ہوں۔ میں نے تعجب کا اظہار کیا' تو طیب نے بتایا کہ انھوں نے خصوصاً میری خاطر اس کے لیے دعا کی تھی۔ کیونکہ اگر ہم باقی سارا دن اس کے ساتھ آملنے کے انتظار میں گزارتے تو سب سے زیادہ تکلیف مجھے اٹھانا پڑتی' اور میں اس گاؤں تک نہ پہنچ سکتی جس کے لیے ہم دراصل روانہ ہوئے تھے۔

ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب پہنچنے پر گاڑی سڑک سے اتر کر ایک طرف چلی۔ میں نے اپنے مستقر پر پہنچ کر اپنے کو جیسے ایک دم ہلکا محسوس کیا۔ چارپائی پر بیٹھ کر ایک گھنٹہ تک گاؤں کی عورتوں سے باتیں کرتی رہی' اور ساتھ ساتھ اس نسوانی ماحول میں ممنونیت کے احساسات کے ساتھ جذب ہوتی رہی۔ گاؤں کے ان گھرانوں میں' اور شہر میں بھی' جہاں میں گئی' یہی مہربانی اور گرم جوشی ملی۔ میرے ساتھ جس خوش دلی' فیاضی اور گرم جوشی کا برتاؤ کیا گیا' میں اس کی عادی نہ تھی۔

ساحل کراچی پر اونٹ کی سواری

اگلے دن کراچی کے لیے روانہ ہوئی۔ پہنچی تو بارش ہورہی تھی۔ مغربی ویلز میں چھ سال رہنے کے بعد' یہاں کی نمی اور ہوائیں مانوس محسوس ہوئیں۔ کراچی میں قیام کے دوران کئی نئے تجربات ہوئے۔ زندگی کی ایک پرانی آرزو پورا کرنے کا موقع بھی ملا۔ ساحلِ سمندر کلفٹن پر میں نے اونٹ کی سواری کی۔ یہ حسنِ اتفاق تھا کہ جب میں چند منٹ کے لیے ایک عرب سیاح کی مانند اونٹ پر سوار آگے بڑھی تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ میرے خوابوں میں بس شام کے آسمان کا حُسن اور اس کے خالق کا خیال ہی تھا۔

"تسلیم" کا سبق

کراچی میں حالات کو قبول کرنے اور تسلیم کرنے کے بارہ میں اہم سبق سیکھنا پڑا۔ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے' میں کہاں جا رہی ہوں' کس کے ساتھ جا رہی ہوں' یہ میرا دردِ سر نہ رہا۔ مجھے یہ سیکھنا پڑا کہ دوسرے لوگ اور حالات میری زندگی کو کنٹرول کریں اور میں اسے تسلیم کروں' خواہ سب کچھ اچھا نہ ہو رہا ہو۔ یونیورسٹی میں آزاد اور منظم زندگی گزارنے کے بعد یہ مجھے مشکل لگتا تھا۔ لیکن اگر اسلام اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا' اور اپنی باگ ڈور دوسرے کے ہاتھ میں تھمانے کا نام ہے' تو پھر اس کے کچھ معنی و مفہوم مجھے ان دنوں میں معلوم ہوئے۔

ولیمہ میں شرکت

کراچی میں ایک شام مجھے ایک شادی لان پر ولیمہ میں شرکت کا موقع ملا۔ میں یہ بالکل بھول گئی کہ میں کسی مخلوط محفل میں نہیں جا رہی ہوں۔ جیسے ہی اس کا احساس ہوا' کلچر کے شاک نے میری حیرت کو کچھ کم کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ علیحدہ تقریبات ماؤں کے لیے اپنے بیٹوں کی دلہنیں منتخب کرنے کا بڑا اچھا موقع ہوتی ہیں۔ کسی نے میرے ساتھ آنے والی خاتون سے میرے شادی شدہ ہونے کے بارہ میں بھی دریافت کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ کوئی میرے لیے شوہر تلاش کرتا' میں لاہور آگئی۔ حسن مراد اور ان کے اہلِ خانہ کو ایئرپورٹ پر انتظار کرتے دیکھ کر نہایت مسرت ہوئی۔

لاہور میں قیام

لاہور میں اپنے دوسرے قیام کے دوران میں خرم مراد کے گھر پر رہی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی۔ میں ان سے کئی بار مل چکی تھی' لیکن یہ موقع نہ ملا تھا کہ اسلام کے بارہ میں ان سے کچھ سوالات بالکل ذاتی سطح پر کروں۔ مجھے یقین سا تھا کہ مجھے اپنے سوالات کے تسلی بخش جواب کوئی دے سکتا ہے تو وہی دے سکتے ہیں۔ شکر ہے کہ میرا خیال بالکل ٹھیک نکلا۔ ان کی گفتگو میں محکم یقین کے ساتھ نرمی کے امتزاج نے اسلام' نبوت اور وحی کے بارہ میں میرے وہ ذہنی پردے ہٹا دیے جو مغربی عقلیت نے کھڑے کر دیے تھے۔ اس میں ان کے دلائل کا جتنا حصہ تھا' اتنا ہی ان کے گفتگو کے انداز کا بھی تھا۔ ان کے بعض جملے اب تک میرے ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔

لاہور میں میرے ساتھ جو لوگ اتنا حُسنِ سلوک کر رہے تھے' ڈیوٹی کے طور پر نہیں بلکہ

اپنے شوق اور جذبہ سے کر رہے تھے۔ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی تکلیف ہو رہی ہے' حالانکہ میری لاہور دوبارہ واپسی نے ضرور ان کے طے شدہ پروگرام متاثر کیے ہوں گے۔ ایک طرف میں یہ ظاہر کرتی تھی کہ میں نہیں چاہتی کہ میرے لیے کوئی تکلیف اٹھائی جائے' اور دوسری طرف میں اپنی شخصیت کے اس حصے سے بھی جڑنا چاہتی تھی جو میں رائے ونڈ کے قریب طیب گلزار کے گاؤں میں چھوڑ آئی تھی۔ چنانچہ ان کے اور ان کی اہلیہ کے شاندار تعاون سے میں نے آخری دو دن نہایت مزے میں گاؤں میں گزارے' اور خوب لطف اٹھایا۔

تلاوت قرآن کا ماحول

ان کی اہلیہ کے ساتھ میں گاؤں کے ہر گھر میں جاسکتی تھی۔ صبح کے وقت میں مختلف گھروں میں گئی تو میری روح اور جسم' میرے پورے وجود نے طمانیت محسوس کی۔ واپس آکر میں ایک چارپائی پر سو گئی۔ ایک گھنٹہ بعد' میں اپنی زندگی کی سب سے زیادہ تھکن اتارنے والی پُرسکون نیند سے بیدار ہوئی۔ کھانے کے وقت' میں نے چپاتی پکانے کی کوشش کی' مگر ناکام رہی۔ شکست تسلیم کرکے اسے "ماہرین" کے حوالے کیا۔ جس وقت میں یہ کوشش کر رہی تھی ایک لڑکی پاس بیٹھی قرآن کی تلاوت کر رہی تھی۔ لکڑی جلنے کی' کھانا پکانے کے برتنوں کی اور اس کی تلاوت کی آوازوں نے ایک عجب سماں بنا دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ انسان ایسے ہی ماحول میں زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیے جاتے ہیں تاکہ وہ خدا سے اور اس پر اپنے انحصار سے آگاہ رہیں۔ کھانا تیار ہوتے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میں گھر پر جو کھانا کھاتی ہوں وہ پیکٹوں اور ڈبوں میں ہوتا ہے۔ مگر یہاں پیکٹ اور ڈبے کا دُور دُور پتا نہ تھا۔ ہر چیز کا ذائقہ بہتر لگ رہا تھا۔ زمین میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اور جو میری پلیٹ میں تھا' اس کا آپس میں راست تعلق تھا۔ یہ اَن گنت انجانے انسانی ہاتھوں سے گزر کر نہیں آیا تھا۔

شراب سے نفرت

گاؤں میں شام کو ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ یہ میں صرف اس لیے بیان کر رہی ہوں کہ بعد میں اس نے میرے لیے بہت اہمیت اختیار کرلی۔ مجھے گاؤں میں ایک ایسے شخص سے ملنے لے جایا گیا جس کے بارہ میں لوگوں کا خیال تھا کہ اس سے ملنا میری دلچسپی کا باعث ہوگا۔ ہم نے تقریباً ایک گھنٹہ بات چیت کی۔ دوران گفتگو اس نے مجھے بیئر پیش کی۔ مجھے شدید صدمہ ہوا لیکن کچھ سوچے بغیر میں نے گلاس لے لیا' جس طرح کہ میں معمولاً برطانیہ میں لے لیتی۔ بیئر کا

ذائقہ وہی تھا جو کہیں بھی ہوتا، لیکن بس مختلف لگ رہا تھا۔ میں سمجھ نہ سکی کہ ایک یا دو گلاس بیئر پی لینا معمول کی طرح خوشگوار کیوں نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ جب دیر بعد شام کو گھر واپس آئی تب مجھے احساس ہوا کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ میں نے جو کچھ کیا وہ پاکستان میں میرے آنے کے پورے عمل کی نفی تھی۔ جس وقت میں بیئر پی رہی تھی میں عارضی طور پر یورپ کے ماحول میں واپس چلی گئی تھی۔ مجھے بالکل ایسا ہی محسوس ہوا۔ میں جانتی تھی کہ میرا یہ فعل ان لوگوں کو پریشان کردے گا جو میرے لیے اتنا کچھ کر رہے ہیں۔ جس گھر میں میرا قیام تھا وہاں واپس آتے ہوئے مجھے بے حد شرم آرہی تھی۔ انھوں نے میرا اتنا گرم جوشی سے استقبال کیا، دل و جان سے خاطرمدارات کی، ایک معزز مہمان کی طرح رکھا، اور ایک میں ہوں کہ صرف بارہ گھنٹہ بعد اس طرح واپس آؤں کہ میرے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو اور میرے کپڑے "میزبان" کی سگریٹوں کے دھوئیں میں بسے ہوئے ہوں۔ ندامت اور شرمندگی سے میری جو حالت تھی، میں بیان نہیں کرسکتی۔ اس واقعہ نے میرے دل میں شراب سے نفرت پیدا کردی اور شراب کے بارہ میں میرا رویّہ ہی بدل گیا۔

(کل میرے شعبہ کے رفقا نے میرے دورہ کی کامیابی کی خوشی میں کھانے کا اہتمام کیا تو شراب کا آرڈر بھی دیا۔ مگر میں یہ نہ پی سکی۔ میرے سپروائزر نے اور میں نے صرف چائے پر اکتفا کی۔ دیکھیں آئندہ اس معاملہ میں میرا ذوق اتنا ہی فطری رہتا ہے یا نہیں، جتنا اب ہے)۔

صبح کا منظر

اگلے دن صبح طیب کی اہلیہ نے مجھے جگایا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا کہ میں ذرا چھت پر جاؤں۔ میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے طلوعِ آفتاب کا منظر دکھانا چاہتی ہیں۔ اگر میں اپنے آپ کو دوبارہ لپیٹ لیتی اور کروٹ لے کر سو جاتی تو میں کس چیز سے محروم رہ جاتی! میں اٹھی، کمبل لپیٹا اور چھت کے اوپر چلی گئی۔ کیا شاندار منظر تھا۔ میرے چاروں طرف ناقابل بیان قدرتی حسن پھیلا ہوا تھا۔ صبح کی دھند کے پس منظر میں چھوٹے چھوٹے مکانات سے اٹھنے والے دھوئیں کے مرغولے عجب منظر پیش کر رہے تھے۔ میری نظروں کے سامنے گاؤں جاگ اٹھا۔

گاؤں میں اتنا اچھا وقت گزار کر جب میں لاہور کے لیے روانہ ہوئی تو مجھ پر اُداسی طاری تھی۔ بیچاری طیب کی بیوی کو میرے آنسوؤں کی بارش سہنا پڑی۔ اس سے گلے لگ کر میں خوب کھل کر روئی۔ مغرب میں تو ہم اپنی کیفیات اپنے اندر ہی گھوٹ لیتے ہیں، ایک زمانے کے بعد میں نے جذبات کو کھلا راستہ دیا۔

اپنی برطانیہ واپسی کی حقیقت کا میں نے ملے جلے جذبات سے سامنا کیا۔ پاکستان میں ایسے لوگوں کے درمیان رہی کہ خوب ہی آرام اٹھایا۔ یہاں مجھے احساس ہوا کہ زندگی کی ترجیحات میں' مغرب میں اور یہاں' بڑا فرق ہے۔ خاندان اور انسانی تعلقات کی یہاں بہت زیادہ قدروقیمت ہے۔ ایسے ملک میں وقت گزارنا بہت ہی پُرلطف تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد مجھے کھینچ کر' دھکیل کر' روتے چیختے' اپنے ملک کی طرف لے جایا جائے گا جو اب مجھے اپنا ملک نہیں لگتا۔

دوسرا رُخ

روانگی سے ایک دن پہلے مجھے ایک بالکل مختلف صورت حال سے واسطہ پیش آیا۔ شالیمار گارڈن اور مقبرہ جہانگیر دکھانے کے لیے میرے ساتھ ایک ایسے صاحب کو کیا گیا جنھیں "معاشرہ کا باغی اور بے دین" بتایا گیا تھا۔ یہ بالکل درست ثابت ہوا۔ مجھے اپنے تحفظ کی تو فکر نہیں کرنا پڑی' لیکن ایسے فرد کے ساتھ دن گزارنا خاصا دلچسپ رہا۔ مجھے پاکستان میں زندگی کا دوسرا رخ' اور لوگوں کا پرائیویٹ زندگی میں غیراخلاقی حرکات کا رجحان دیکھنے کا موقع ملا۔ ۴' ۵ گھنٹہ بعد ہی میرے سَر میں دَرد شروع ہوگیا۔ گزشتہ ہفتوں میں میرے گِرد سادگی اور معصومیت کی جو چار دیواری غیرشعوری طور پر قائم ہوگئی تھی' ہر بُرا لفظ اور جملہ اس میں شگاف ڈال رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ چند دن بعد اس محفوظ خول کو چھوڑ کر اس "حقیقی دنیا" میں چلے جانا ہے جہاں مجھے خود اپنی فکر کرنا ہوگی اور جہاں اس طرح کی گندگیوں سے اپنے کو بچانا زیادہ مشکل ہوگا۔

الوداع

لاہور میں مجھے کئی لوگوں کو الوداع کہنا تھا' اس لیے لاہور چھوڑنا آسان نہ تھا۔ میرے ایک پسندیدہ مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے "جدائیوں پر افسردہ نہ ہو' دوبارہ ملنے کے لیے جدا ہونا ضروری ہے۔ دوستوں کا جلد یا بدیر دوبارہ ملنا یقینی ہے"" اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنے جذبات کو قابو کیا۔ لیکن اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام آباد جاتے ہوئے لاہور میں' میں اپنی شخصیت کا پہلے سے بڑا حصہ چھوڑ کر جارہی تھی۔

بازگشت

واپس آکر اپنے اہل خاندان اور دوستوں سے ملنا اور انھیں گزشتہ ماہ کی رُوداد سنانا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ پاکستان اور وہاں کے اپنے احباب بہت یاد آرہے ہیں۔ کیا طرفہ تماشہ ہے کہ مجھے برطانیہ واپس آکر کلچر شاک محسوس ہورہا ہے۔ میں اذان سننے کی عادی ہوگئی تھی

اور یہاں اس سے محروم ہوں۔ پورا دن خاموشی کے تسلسل میں گزر جاتا ہے۔ میرے پورے سفر میں اذان ایک عملِ مسلسل تھی جس نے تمام واقعات کو ایک مربوط سلسلہ میں جوڑ دیا تھا۔

یہاں میں کل اسٹوڈنٹس یونین کے دفتر کی طرف گئی تو دیواروں پر ہر طرف safer sex week کے پوسٹر لگے تھے۔ اس دورہ سے پہلے میں اس پر کوئی توجہ نہ کرتی' لیکن اب مجھے اس سے وحشت ہوتی ہے۔ یہ مجھے اپنی روح پر حملہ محسوس ہوتا ہے۔ ان باتوں سے میرے اندر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میرا تعلق دراصل کس سے ہے' اور کیا میں اس طرح کے تابڑ توڑ حملوں سے اپنے آپ کو مٹانے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے ایک انتہائی مثال دی ہے' لیکن مغرب کی اچھی باتوں سے قطع نظر' مفاد پرستی کے لیے ہماری دوڑ نے ہم سے بہت کچھ چھین لیا ہے۔ انسانی وقار' نفاست' خاندان کا احترام اور باہمی الفت' سب قربان کردیے گئے ہیں۔

مغرب اور مسلمان

اب کچھ باتیں میرے مقالے کے موضوع کے حوالے سے۔ تفصیلی بحث تو مقالے میں ہی ہوگی لیکن کچھ سرسری تذکرہ یہاں بھی ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ مسلمانوں کی جس بات نے مجھے متاثر کیا وہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کے طور طریقوں اور طرزِ زندگی کے بارہ میں کتنی ہی تنقید کریں اور اپنے بھائیوں اور بہنوں کے بعض رویوں پر کتنا ہی شرمندہ کیوں نہ ہوں' اس سے ان کے اسلام پر فخر میں کمی نہیں آتی۔ مجھے کسی اور مذہب کے ایسے ماننے والے نہیں ملے جو اپنی ایمانیات کے بارہ میں فخر کا ایسا جذبہ رکھتے ہوں۔ اس سے مجھے یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کے لیے بحیثیت اقلیت خصوصاً مغربی ممالک میں رہنا کتنا مشکل ہوتا ہوگا' جہاں اسلام سے اتنی نفرت کی جاتی ہے۔

ایک مسلمان ملک میں چند دن گزار کر اب میں یہ سمجھ سکتی ہوں کہ مغربی اقدار اور اسلام میں کہاں کہاں ٹکراؤ ہے۔ میں مسلمانوں کی اس نئی نسل کا نقطۂ نظر بہتر طور پر سمجھ سکتی ہوں جو یہاں کے حالات میں اپنے دینی تشخص کے اظہار کے لیے کوشش کر رہی ہے۔

میرے خیال میں برطانیہ میں مسلم آبادی کے مستقبل کے لیے ضروری ہے کہ موجودہ نئی نسل' اپنے علاقائی رسوم و رواج اور ثقافت اور اسلام کے درمیان ٹھیک فرق کرے۔ اسلام کے بنیادی امور کا صحیح فہم حاصل کرے اور اس پر کوئی سودا نہ کرے۔ لیکن آباؤ اجداد کی نقل مکانی کی وجہ سے ان کے تہذیبی ماضی سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ اب پاکستانی مسلمان

نہیں بن سکتے' برطانوی مسلمان بن سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنی شناخت کی اس حقیقت کو پالیں' اور اس کے خلاف جو مزاحمت ہے اس کا مقابلہ کرلیں تو یقیناً وہ مغربی معاشرہ میں اپنی جگہ بنالیں گے۔ نئی نسل کے بزرگوں کو نوجوانوں کی روایتی یا تہذیبی شناخت کھونے پر پریشان نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ ان کی مذہبی شناخت کو زندہ اور محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ان کو مغربی پس منظر میں اسلام کی بحیثیت دین تعلیم و تفہیم میں تعاون ملنا چاہیے۔

پاکستان پہنچنے کے بعد جلد ہی مجھے یہ احساس ہوگیا تھا کہ برطانیہ میں مسلم آبادیاں کیوں ایسی نظر آتی ہیں۔ بریڈ فورڈ میں بعض جگہ یہ لگتا ہے کہ پاکستان سے کوئی حصہ لاکر یہاں رکھ دیا گیا ہے۔ غالباً ایک دوسری دنیا میں رہتے ہوئے' حلال حرام کا جو فرق شعوری طور پر نمایاں اور واضح ہو جاتا ہے' اسے کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آس پاس کی اکثریت سے مختلف ہونے کے احساس کے ذریعے وہ اپنی مذہبی شناخت کا اظہار کرتے ہیں' خصوصاً اس لیے کہ معاشرہ میں اسے قبول بھی نہیں کیا جاتا ہے۔

برطانیہ میں بسنے والے پاکستانی مسلمان' پاکستان میں رہنے والے مسلمانوں کا چھوٹے پیمانے پر نمونہ ہیں۔ جہاں بھی وہ ہیں' چاہتے ہیں کہ انھیں مسلمان ہی سمجھا جائے۔ اس شناخت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اسلام سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ مگر حقیقی باعمل مسلمان ہر جگہ اقلیت میں ہیں۔

اسلام اور میں

آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور آرہا ہوگا کہ اسلام کے بارہ میں میری ذاتی رائے کیا ہے۔ شاید اب میں اس کا کوئی جواب دینے کی بہتر پوزیشن میں ہوں۔ میرا مقالہ برطانیہ میں مسلمانوں کی نئی نسل کے جس مسئلہ سے متعلق ہے' میں اپنے لیے بھی اسی حوالے سے سوچتی ہوں' یعنی ایمان اور تہذیبی و اجتماعی ماحول۔ میں ایک پریشانی اور اضطراب کا شکار ہوں اور میں جانتی ہوں کہ اسے دُور کرتے کرتے مہینوں نہیں تو ہفتے ضرور لگ جائیں گے۔

میں پاکستان میں کوئی نئی شخصیت نہیں بن گئی۔ صرف یہ ہوا ہے کہ میرے اندر کی وہ باتیں جو فطری طور پر اسلام سے مطابقت رکھتی ہیں' واضح ہو کر ابھر آئی ہیں۔ لباس اس کی ایک مثال ہے۔ شلوار قمیص مجھے پسند ہے۔ میں چاہوں گی کہ یہاں بھی یہ پہنوں' لیکن یہ عملی بات نہیں ہوگی۔ لیکن کچھ اور باتیں ہیں جنھیں میں نہیں چھوڑنا چاہتی۔ دین فطرت اور زندگی کی کل سرگرمیوں کے محور کی حیثیت سے میں اسلام کے حسن کو اب بہتر طور پر سمجھ سکتی ہوں۔ میں

اصولی طور پر اسے تسلیم کرتی ہوں۔ لیکن مجھے یہ دیکھنا ہوگا کہ مغرب میں اس کا مطلب عملاً میرے لیے کیا ہوگا۔ کئی لحاظ سے پاکستان میں اسلام پر عمل کرنا "نسبتاً" آسان ہے۔ مغرب یہ مواقع نہیں دیتا۔ اس کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لیے زیادہ کوشش کرنا ہوگی۔ لیکن کچھ نقصانات بھی واضح ہیں۔

گزشتہ چند برسوں میں' میں مختلف مذاہب کے قریب گئی ہوں۔ میں نے کہیں بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میں یہاں کی ہوں۔ بدھ مذہب کی بعض تعلیمات مجھے پُرکشش لگتی ہیں۔ شاید یہ ہمیشہ لگیں' لیکن میں بدھ نہیں بن سکتی۔ میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی ہوں جہاں ایک طویل عرصے سے موجود روحانی خلا پر میں سخت بے اطمینانی محسوس کرتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں عیسائیت کو دل و دماغ کے اطمینان کے ساتھ قبول کرسکوں۔ اگر آدمی اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو قبول کرسکے تو یہ بہتر ہے۔ اس طرح وہ مذہب کے اجتماعی لاشعور سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت یا ان کی تعلیمات میرے لیے مسئلہ نہیں' لیکن ان کی زندگی اور روحانی کارناموں کے بارہ میں جو دعوے کیے گئے ہیں' وہ میرے لیے قابلِ قبول نہیں ہیں۔ طویل عرصے سے میں حضرت عیسیٰؑ کے عیسائی تصور کے مقابلے میں اسلامی تصوّر کے زیادہ قریب ہوں۔ حضرت عیسیٰؑ کے اس تصوّر کے لیے جسے میرا دل و دماغ قبول کرے' شاید اسلام میری رہنمائی کرسکتا ہے۔ لیکن میں جو فیصلہ کروں' ایسا ہونا چاہیے جس پر میں قائم رہ سکوں۔

ایک مسئلہ

اسلام کے قریب آنے کے حوالے سے ایک بات مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ ایک دوسرے پر تنقید کرنے میں مسلمان دوسرے اہلِ مذاہب سے پیچھے نہیں ہیں۔ اسلام تو زندگی کے ہر گوشہ کے لیے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ کچھ لوگ اس کے کچھ حصوں پر بہتر عمل کرلیتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کچھ زیادہ متقی لوگ چاہتے ہیں کہ ہر شخص ہر بات پر ہر لحاظ سے پورا عمل کرے۔ میں جانتی ہوں کہ میں اس معیار تک نہیں آسکتی۔ کیا میں اس تنقید کا مقابلہ کرسکوں گی جو بعض دائروں میں میری ناکامی کی صورت میں مجھ پر ہوگی؟ مجھے یقین نہیں ہے۔ اس لمحہ میں اسلام کی سرحد پر کھڑی ہوں اور حوصلہ افزائی اور گرم جوشی میرے حصے میں آرہی ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ جوں ہی میں سرحد پار کرکے اُمت میں داخل ہوں گی' صورت حال بدل جائے گی۔

یہاں لیمپیٹر (Lampeter) میں زیادہ وقت تنہا گزارتی ہوں۔ میرا تحقیقی کام تنہائی چاہتا

ہے۔ خیال تھا کہ پاکستان میں ملنے جلنے کا وقت ملے گا۔ واقعی' چند شاذ مواقع کے علاوہ' وہاں لوگوں کے درمیان گھرا رہنا مجھے بہت اچھا لگا۔ زندگی میں اس سے پہلے ملنے جلنے کا اتنا لطف میں نے نہیں اٹھایا۔ انسان اجتماعی وجود ہے اور ہم ایک دوسرے کے ضرورت مند ہیں۔ اِلّا یہ کہ ہم ایسے خصوصی لمحات سے گزر رہے ہوں جب تنہائی چاہتے ہوں۔ لیکن مغرب میں تنہائی رضاکارانہ نہیں' اس لیے یہ بہت سوں کے لیے بہت بڑا مسئلہ ہے۔

اختتامی کلمات

اختتام سے پہلے' ان سب کا بہت شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے جنھوں نے میرے اس سفر کو یادگار بنایا۔ میرا پاکستان آنا' میری زندگی کے بہت بڑے واقعات میں سے ایک ہے۔ اور میں ان سب کی کوششوں کی قدر کرتی ہوں جنھوں نے اسے میری زندگی کا اتنا بڑا واقعہ بنانے میں مدد دی۔ میری جس فراخدلی اور فیاضی سے مہمانداری کی گئی' بلا استثنا ہر جگہ' وہ ایسی تھی جیسی زندگی میں پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ میں مغرب میں خود غرضی اور ذاتی مصروفیات کا جو عالم دیکھتی ہوں' اس کے پس منظر میں یہ زیادہ ہی اچھی لگی۔ میں نے وہاں یہ سیکھا ہے کہ میں اپنے مہمانوں کی آؤ بھگت اپنے گھر میں کس طرح کروں۔

پاکستان جانے سے قبل ہی ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے پاکستان میری گھٹی میں پڑا تھا۔ اب وہاں کچھ وقت گزار کر اس ملک سے اور اس کے لوگوں سے میری محبت دوچند ہوگئی ہے۔ وہاں کی زندگی کے شب و روز' انداز و اطوار اور چہل پہل اب تک میری نظروں کے سامنے گھومتے رہتے ہیں۔

رسائل و مسائل

برادر تنظیموں کے ساتھ کام

اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلکی کے دوران' کیمپ اور مرکزی شوریٰ کے ساتھ آپ کی نشستوں سے اور آپ کی تحریروں سے' آپ کے خیالات سے آگاہی رہی ہے۔ اس حوالے سے دل چاہتا ہے کہ گاہے بگاہے آپ کی رہنمائی حاصل رہے۔

میں اس وقت جماعت کا رکن ہوں' اور ڈاکٹر ہوں۔ شروع شروع میں جماعت کے کام کے ساتھ چلانے کی کوشش ہوں عملی زندگی آگے بڑھتی گئی ہے' وقت اور جماعت کے تقاضے کام کے ساتھ اپنا قدم نہیں ملا سکا۔ اس وجہ سے کچھ عرصہ مایوسی میں بھی گزرا۔ اپنے آپ کو لعن طعن کرکے گزارا پھر یہ سوچ کر کہ جماعت میں ہمارے لیے کوئی پیشہ ورانہ اور عملی کام نہیں ہے' اس لیے جیسے جی چاہے کرو' اور نہ بھی کرو تو کون پوچھنے والا ہے' سوائے اللہ کے۔

زندگی اس ڈگر پر چل رہی تھی۔ لیکن چونکہ جمعیت کی زندگی میں بہت سرگرمی سے کام کیا تھا' وہ لگن کہیں چین بھی نہ لینے دیتی تھی۔ پھر جو چند لوگ جمعیت میں ہمارے ساتھ تھے' انھوں نے پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (پیما) کے لیے مجھ سے رابطہ کیا' اور پرزور اصرار کیا کہ میں بھی کام کروں۔ اس طرح میں پیما میں آگیا۔ میں نے جماعت کے اکابر سے بار بار دریافت کیا کہ کیونکہ پیما شاید آپ لوگوں کی مرضی سے وجود میں آئی ہے' اس کے کرنے کے کیا کام ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔

اب آپ سے رہنمائی درکار ہے کہ ہمیں کس طرح اور کیا کام کرنے چاہئیں۔ جماعت ہماری کوئی سپورٹ کرسکتی ہے یا نہیں؟ یا جماعت کے پاس اپنے ڈاکٹروں سے کام لینے کا کوئی نقشہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ ہمارے کراچی کے بیشتر رکن ڈاکٹر' جمعیت و جماعت کے' امریکہ سدھار چکے ہیں۔ چند موجود ہیں لیکن کوئی واضح ٹارگٹ سامنے نہیں ہے۔

چند باتیں مختصراً آپ کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔ آپ غور کریں گے تو شاید ان میں کچھ

تشفی کا سامان پائیں۔

۱۔ جماعت آپ اور ہم جیسے افراد پر مشتمل ہے۔ "ہم" اور "وہ" دوئی اور غیریت کی زبان ہے' اور اسی سوچ کی عکاس۔ جب آپ یہ سوچ اختیار کرلیں گے کہ ہم ہی جماعت ہیں' تو بہت ساری گرہیں کھل جائیں گی۔ پھر آپ یہ نہ سوچیں گے کہ کیا جماعت کے پاس ہم سے کام لینے کا کوئی نقشہ ہے؟ بلکہ آپ یہ سوچیں گے کہ کیا ہمارے (یعنی جماعت کے) پاس ہم سے کام لینے کا کوئی نقشہ ہے۔ جب آپ یہ پہلا قدم اٹھالیں گے' تو پھر جو آپ کی جتنی مدد کرسکے گا' وہ انشاء اللہ کرے گا۔

۲۔ جماعت تو بنی ہی اس لیے ہے کہ ساری امت کی' بلکہ ساری انسانیت کی رہنمائی کرے۔ اس لحاظ سے جماعت کا ہر فرد رہنما ہے۔ یہ نہیں کہ گنتی کے چند آدمی جنرل ہیں' باقی سپاہی۔ یہاں تو ہر ایک کو جنرل ہونا چاہیے' جو اپنا اپنا مورچہ سنبھال کر جدوجہد کو آگے بڑھاتا رہے۔ جہاں لوگ جماعت کی طرف سے ہدایت ملنے کے منتظر رہیں' جب کہ وہ خود ہی جماعت ہیں؛ وہاں کوئی وسیع اور ہمہ دَم متحرک جدوجہد کبھی بھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہمیں روبوٹ نہیں' قائد انسان درکار ہیں۔

۳۔ جماعت کا اصل مقصد' بلکہ جوازِ وجود' یہ ہے کہ لوگوں تک دعوت الی اللہ پہنچے۔ وہ اس پر لبیک کہیں' خود کو بقدرِ استطاعت بدلنا شروع کریں' اور غلبۂ دین کے لیے جوش و جذبہ سے سرگرم عمل ہو جائیں۔ اب اس کے لیے زید' بکر کو کیا کرنا ہے' تو ان کے لیے جو اس کی تنظیم کا حصّہ ہوں' بنیادی خاکہ تو جماعت فراہم کرے گی' رنگ ان کو خود بھرنا ہو گا' محلّے میں' ضلع میں۔ جو جماعت کے علاوہ کسی تنظیم میں ہوں' ان کو اپنا خاکہ بھی بنانا ہو گا' اور رنگ بھی بھرنا ہو گا۔ خاکہ بنالیں گے' تو جماعت مشورہ ضرور دے گی۔

۴۔ برادر تنظیموں کے بارہ میں جو ہماری سوچ ہے اس کا پورا اندازہ آپ کو اُس سوال نامہ سے ہو سکتا ہے جو چند سال قبل جماعت نے ان تنظیموں کو ارسال کیا تھا' اور اس سرکلر سے بھی. جو بعد میں جماعت کی طرف سے ان کو جاری کیا گیا تھا۔ آپ یہ اپنے مرکز سے حاصل کرلیں۔ اگر وہ اسے ضائع کرچکے ہوں' تو ہمارے شعبۂ تنظیم کو لکھ کر نقل منگوا لیں۔

۵۔ بنیادی بات یہ ہے کہ پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن جیسی تنظیم کا جواز اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب وہ کوئی ایسا کام کرے جو جماعت کی تنظیم میں نہ ہو سکتا ہو۔ اگر پیما میں وہی لوگ بیٹھے نظر آئیں جو بلا کسی مشکل کے جماعت کی گاڑی میں بیٹھ سکتے ہوں تو ایک علیحدہ

گاڑی کی کیا ضرورت ہے۔ علیحدہ گاڑی پر بہت اضافی خرچ ہوتا ہے' انسانوں کا بھی اور مال کا بھی۔ اگر آپ وسیع پیمانہ پر ڈاکٹروں کو' یا ڈاکٹروں کی کمیونٹی کو دین کے لیے متحرک کر سکیں تو یہ پیما کی اصل کامیابی ہو گی۔

اس پہلو سے جو بات میں کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ "اگر ایک اور جماعت اسلامی ہی بنانا تھی تو جماعت سے علیحدہ کام کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔

۶ - طالب علمی کی زندگی اور کیریئر اور متاہلانہ زندگی میں بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ جو ماضی کے رومانوی خوابوں میں کھوئے رہتے ہیں' وہ مایوسی کا شکار ہوتے ہیں۔ جو حقائق کا سامنا کر کے اپنے مقصد کی طرف اپنی راہ خود بنانے کے عزم سے سرشار ہوتے ہیں' وہ بالآخر راہ پا لیتے ہیں۔ جو لوگ امریکہ سدھار گئے ہیں' اگر مجبور و مضطر نہیں' تو ان کے جانے کی وجہ یہ نہیں کہ کوئی واضح ٹارگٹ نہیں' بلکہ یہ ہے کہ اب دوسرے ٹارگٹوں کو ترجیح حاصل ہو گئی ہے' اور ماضی کے' جمعیت کے زمانہ کے' ٹارگٹ مدھم' غیر واضح اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔

۷ - اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وسائل تو آپ کو خود ہی فراہم کرنا ہوں گے۔ آخر جماعت سب کے لیے اتنے وسائل کہاں سے لائے؟ وسائل جمع کرنے کا ذریعہ "ہم" ہی ہیں۔ آپ سوچیے کہ کیا آپ کو ۱۰۰ ڈاکٹر کراچی میں ایسے نہیں مل سکتے جو روزانہ اپنے ایک مریض کی فیس ایک ڈبہ میں غلبۂ دین اور اپنے منصوبوں کے لیے ڈالتے رہیں۔ میرا اندازہ ہے ۵۰ - ۶۰ لاکھ سالانہ اسی طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ (خرم مراد)

اسبال ازار

اسبال ازار سے کیا مراد ہے۔ ٹخنوں سے نیچے ازار (تہمد) کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار (مشکوۃ بحوالہ بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ٹخنوں سے نیچے ازار (تہمد) کا جو حصہ ہو گا وہ دوزخ کے حوالے ہو گا۔

حدیث فہمی کی ایک اصل

جس طرح قرآن فہمی کے چند مسلمہ اصول ہیں' اسی طرح حدیث فہمی کے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک اصل جو دونوں میں مشترک ہے' یہ ہے کہ صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی مسئلہ جو متعدد سورتوں میں اور متعدد آیتوں میں بیان ہوا ہے ان سب کو سامنے رکھا جائے۔ اسی طرح کوئی مسئلہ جو متعدد احادیث میں بیان ہوا ہو ان سب کو سامنے رکھا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو صرف یہی نہیں کہ انسان صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچتا بلکہ غلط نتیجہ اخذ کرکے بعض اوقات گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں جو بہت سے گمراہ فرقے پھیلے ہوئے ہیں اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ انھوں نے کسی ایک آیت یا کسی ایک حدیث کو اپنے مسلک کی بنیاد بنا لیا ہے اور دوسری آیتوں اور حدیثوں کو نظرانداز کردیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک حکم کسی آیت یا کسی حدیث میں مطلق ہوتا ہے' لیکن کسی دوسری آیت یا حدیث میں اسی حکم کے لیے کوئی قید یا کوئی شرط بیان کردی گئی ہے۔ پھر اگر کوئی شخص صرف مطلق کو لے لے اور مقید کو چھوڑ دے تو وہ غلط نتیجے پر پہنچ جائے گا۔ اسبال کی مذکورہ بالا حدیث بھی اسی طرح کی ایک حدیث ہے۔

اِسبال کے معنی اور مشروط وعید

اِسبال کے متعدد لغوی معانی ہیں۔ ایک معنی کپڑے کو لٹکانا ہے۔ مثلاً **اسبل الستر** (اس نے پردہ لٹکایا)۔ اس لفظ کا اطلاق عمامہ' قمیص' ازار اور چادر سب پر ہوتا ہے۔ اسبال' ازار (تہمد) اور پاجامے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ احادیث میں کہیں ازار کا لفظ ہے' کہیں ثوب (کپڑا) کا' کہیں عمامہ کا اور کہیں ردا (چادر) کا۔ مذکورہ بالا حدیث میں ازار کا لفظ ہے اور دوزخ کی وعید مطلق ہے۔ اس سے کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جو بھی اپنا ازار یا پاجامہ دونوں ٹخنوں سے نیچے رکھے وہ دوزخ کی وعید کا مستحق ہے' لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ دوسری صحیح احادیث میں اس وعید کے لیے شرط اور قید موجود ہے اور یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ وعید کس کے لیے ہے۔ میں یہاں حدیث کی صرف تین کتابوں --- مشکوٰۃ' جمع الفوائد اور مسلم شریف سے چند احادیث پیش کروں گا۔ اوپر میں نے جو حدیث نقل کی ہے وہ مشکوٰۃ ہی کی ہے۔ مشکوٰۃ ہی میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث اور ہے جس کا متن یہ ہے:

(۱) وعن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا ينظر الله يوم القيمه الى من جر ازاره بطرا متفق عليه۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم' کتاب اللباس)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو بہ نظر رحمت نہیں دیکھے گا جس نے گھمنڈ اور تبختر کے طور پر اپنے ازار کو زمین پر گھسیٹا ہو گا۔

جر کے معنی کھینچنے اور گھسیٹنے کے ہیں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں اپنا ازار اتنا نیچا رکھا ہو گا کہ وہ زمین پر گھسٹتا چلے اور ایسا اس نے گھمنڈ اور تبختر کے طور پر کیا ہو گا تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم رہے گا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

(۲) عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلا لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم کتاب اللباس)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس نے اپنا کپڑا زمین پر گھسیٹا' غرور اور تکبر کی بنا پر' اس کو اللہ قیامت کے دن بہ نظر رحمت نہیں دیکھے گا۔

(۳) عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ثوبہ خیلا لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ فقال ابوبکر یارسول اللہ ازاری یسترخی الا ان اتعاھدہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک لست ممن یفعلہ خیلا (رواہ البخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی)

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس نے غرور میں اپنا کپڑا گھسیٹا' قیامت کے دن اس کو اللہ بہ نظر رحمت نہیں دیکھے گا' تو ابوبکرؓ نے کہا' یا رسول اللہ! میرا ازار ڈھیلا ہو کر نیچے لٹک جاتا ہے لیکن میں اس کی نگرانی کرتا رہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا' تم یہ کام غرور اور گھمنڈ کی بنا پر نہیں کرتے۔

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ وعید کا مستحق وہ شخص ہے جو اپنا ازار یا قمیص گھمنڈ اور تکبر کی بنا پر ٹخنوں سے نیچے رکھتا یا زمین پر گھسیٹتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ:

(۴) الاسبال فی الازار والقمیص والعمامۃ (جمع الفوائد' مشکوٰۃ)

اسبال' ازار' قمیص اور عمامہ (پگڑی) میں ہوتا ہے۔

(۵) عن ام سلمۃ قالت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمراۃ یارسول اللہ قال ترخی شبرا فقالت اذا تنکشف عنہا قال فذراعا لا تزید علیہ (جمع الفوائد'

مشکوٰۃ)

(اصحاب سنن نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ عورتیں اپنا دامن کتنا لٹکائیں۔ آپؐ نے فرمایا' ایک بالشت لٹکائیں۔ انھوں نے کہا' تو ان کے قدم کھلے رہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک ہاتھ لٹکا سکتی ہیں' اس پر اضافہ نہ کریں۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ازار یا قمیص کو ٹخنے سے اوپر رکھنے کا حکم مردوں کے لیے ہے۔ عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اب میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس نے اس مسئلے کو بالکل واضح کردیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے:

فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باذنی ھاتین یقول من جر ازارہ لا یرید بذالک الا المخیلۃ فان اللہ لا ینظر الیہ یوم القیامۃ (مسلم' ج ۲' کتاب اللباس)

تب انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنا ازار گھسیٹے اور تکبّر کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہ ہو تو قیامت کے دن اللہ اس کو بہ نظر رحمت نہ دیکھے گا۔

اس حدیث نے پوری طرح یہ بات واضح کردی کہ وعید مطلق نہیں بلکہ مشروط و مقید ہے۔ وہ شرط و قید گھمنڈ کی ہے۔ ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر ائمہ دین نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص گھمنڈ اور اتراہٹ (تبختر) کی بنا پر ازار یا قمیص ٹخنے سے نیچے رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل حرام ہے اور وہ وعید کا مستحق ہے۔ اور اگر وہ غرور کی بنا پر ایسا نہیں کرتا تو مکروہ تنزیہی ہے۔ یعنی حدیث میں لباس کا جو ادب بیان کیا گیا ہے یہ کام اس کے خلاف ہوگا' لیکن وہ وعید کا مستحق نہیں ہے۔ ازار کے لیے مردوں کو احادیث میں جو ادب سکھایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ازار نصف ساق (آدھی پنڈلی) تک رہے اور اگر کوئی شخص اس سے نیچا رکھنا چاہے تو ٹخنوں تک' یعنی ٹخنے کھلے رہیں' الا یہ کہ کسی معذوری کی وجہ سے تہ بند یا پاجامہ نیچا ہو جائے اور ٹخنے چھپ جائیں۔

(زندگی نو' ربیع الآخر ۱۴۰۶ مطابق جنوری ۱۹۸۶)

کتاب نما

روداد قفس : از سید علی گیلانی۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف سیون' اسلام آباد' صفحات ۴۶۰' قیمت ۱۲۰ روپے۔

تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے سید علی گیلانی کا نام "وقت کی ایک استبدادی قوت کے خلاف کشمیری مسلمانوں کے جہاد عزیمت کا عنوان" بن چکا ہے ---- وہ کہتے ہیں : "زندگی کے مقاصد جتنے عظیم اور ارفع ہوں' ان کے حصول کے لیے اتنی ہی عظیم اور بیش بہا قربانیاں دینی پڑتی ہیں" ---- علی گیلانی کی زندگی اسلام کی سربلندی اور آزادی کشمیر کے لیے طویل جدوجہد سے عبارت ہے۔ زیر نظر کتاب اسی جدوجہد اور انھی بیش بہا قربانیوں کی ایک جھلک دکھاتی ہے ---- ان قربانیوں میں' کشمیریوں کے اس مسلمہ رہنما کے ساتھ ان کے قریبی اعزہ' تحریک اسلامی سے وابستہ اساتذہ' طلبہ' وکلا' تاجر' ملازمین اور عام شہری اور دیہاتی بھی شامل ہیں۔

بظاہر تو یہ سید علی گیلانی کی آپ بیتی ہے' جس میں ان کی ذاتی زندگی' ان کے معمولات' مشاغل و مصروفیات' اور کچھ ان کے اہل خانہ اور عزیزوں کا ذکر ہے' لیکن اس سے ایک وسیع کینوس پر یہ ایک جگ بیتی بھی ہے۔ کاروان آزادی کے اسیروں کی کہانی' مظلوموں کی داستانیں' قیدیوں سے غیرانسانی سلوک' جیلوں کی شرمناک حالت' بھارتی فوج کی اخلاق سوز کارروائیاں' حیوانیت کے مظاہرے' انسانی حقوق کی پامالی ---- اور ڈھٹائی کی حد ہے کہ بھارت کو فوجی عملداری کی ان مکروہ اور سیاہ کارروائیوں کے باوجود دنیا کی سب سے بڑی "جمہوریت" ہونے کا دعویٰ ہے ؟ لیکن "جب آپ اس کے اندرونی خدوخال دیکھیں گے تو آپ یقیناً چنگیزیت اور درندگی کے نظام کا ہو بہو عکس پائیں گے۔" ---- اس مضحکہ خیز دلیل کے جواب میں کہ : "بہت سا وقت گزر گیا ہے' اس لیے اب کشمیری عوام کی آزادی اور حق خود ارادیت کی بات نہیں کرنی چاہیے ----" وہ کہتے ہیں : "میں ان سے پوچھتا ہوں کیا دریائے جہلم کے پانی کے ساتھ لوگوں کے حقوق بھی بہہ چکے ہیں ؟" ---- اس کا جواب انھیں گرفتاری' جیل میں بدسلوکی' جسمانی

تعذیب اور ذہنی اذیت کی صورت میں ملتا ہے۔

"رودادِ قفس" کا زیرِ نظر مقدمہ تو مصنف کی چند ماہ (۱۹۹۰ء) کی روداد اسارت ہے، بحیثیت مجموعی ان کی زندگی کے ۱۷ برس جیلوں اور تفتیشی مراکز میں گزرے۔ جہاں انھیں طرح طرح کی ذہنی اذیتوں سے گزارا گیا، مارپیٹ کی گئی، قید تنہائی میں رکھا گیا، طرح طرح کے لالچ دیے گئے (کشمیر کی وزارت اعلیٰ تک کی پیش کش ہوئی) مگر ذات باری تعالیٰ پر ایمان و یقین نے انھیں ایسی قابلِ رشک استقامت عطا کی کہ ان کے عزائم، ان کا اعتماد، ان کی ہمت اور ان کا جذبہ قربانی دیدنی ہے۔ لکھتے ہیں: "وادیِ گل پوش کا چپہ چپہ خونِ شہدا سے لالہ رنگ بنایا جارہا ہے۔ ہم راہِ وفا کے ان شہیدوں کے حضور خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ہماری زندگیاں، ہماری اولاد، ہمارے مال و متاع، ہمارے مکانات، ہماری زمینیں، ہمارے باغات، ہمارے مال، مویشی، ہمارے اسباب زندگی، ہمارے جیون ساتھی، سب اللہ کی بخشی ہوئی امانتیں ہیں۔ ان امانتوں کو اللہ کی راہ میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے، اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے، اپنی ملت اور وطن عزیز کو باطل قوتوں کے غلبے اور استبداد سے آزاد کرانے کے لیے قربان کرنے کی خاطر ہمیں پورے ذہنی اور قلبی اطمینان کے ساتھ تیار رہنا چاہیے۔ یہ سب کچھ قربان کرنے کے بعد ہمیں اللہ پر کوئی احسان نہیں دھرنا ہے، بلکہ یہ اسی کا احسان ہو گا کہ اگر وہ ہمیں اس ایثار و قربانی کی توفیق عطا فرمائے۔" ان کا ردِ عمل کسی جوشیلے اور جذباتی انسان کا نہیں، ایک صابر و شاکر اور فہیم و متین اور دھیما مزاج رکھنے والے مسلمان کا ہے۔

یہ ردِ عمل سید علی گیلانی کی نیک نفس، صابر و شاکر، متقی، خوددار و باکردار اور قید و بند کی بھٹی سے کندن بن کر نکلنے والی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ قصہ امروز بیان کرتے کرتے وہ ماضی میں جانکلتے ہیں۔ کشمیر میں تحریک اسلامی کے نشیب و فراز، تحریک آزادی کے مختلف مراحل، اہل کشمیر سے بھارت کی بدعہدی، ان سے بدسلوکی، ان پر مظالم ---- پھر حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے کرتے وہ خود کلامی کے انداز میں آواگون، سیکولرزم، کمیونزم، دینِ الٰہی، اکبر کا دورِ حکومت، تقسیم ہند اور ملت اسلامیہ کے انتشار و افتراق اور اسی طرح کے دیگر موضوعات پر اپنے دلچسپ محسوسات و خیالات پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ نفس انسانی کی مختلف کیفیتوں، اس کی کمزوریوں، حالات کی جبریت، قیدیوں کی نفسیات، سیاسی غلامی کے ہولناک نتائج وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ ان کے محسوسات کے پس پردہ، ایک زمانے کے سرد و گرم چشیدہ، ایک پختہ فکر، اور دردمند فلسفی کی سوچ کارفرما نظر آتی ہے:

○ "تنہائی کے لمحات بڑے غنیمت ہوتے ہیں۔ ان لمحات میں اپنی ماضی کی زندگی کا بے لاگ جائزہ لینا چاہیے کہ کہاں کیا کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں ؟ تاکہ آنے والے مراحل میں ان خامیوں اور کوتاہیوں کی پاداش میں سزا نہ بھگتنا پڑے۔"

○ "محض وہ بندوق کہ جس کے پیچھے صالح اصولوں اور قدروں کی کارفرمائی نہ ہو' تاریخ کے کسی دور میں نہ تو ظلم مٹا سکی اور نہ عدل ہی قائم کر سکی ہے۔ بے مقصد اسلحے اور بندوقوں نے صرف ظلم اور استبداد کرنے والے چہروں اور ہاتھوں کو بدلا ہے۔"

○ "عزائم میں عظمت' آفات کا مقابلہ کرنے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔"

○ "نئے نئے حادثات اس طرح جنم لے رہے ہیں جیسے ٹوٹی صراحی سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا ہو یا کسی درخت کے پکے ہوئے پھل ہوا کے معمولی جھونکے سے گر رہے ہوں یا کسی ریتلی ڈھلان سے چھوٹے چھوٹے پتھر اور ذرات خود بخود نشیب کی طرف آ رہے ہوں یا بلندی سے آنے والے جھرنے کا کسی چٹان نے راستہ روک لیا ہو' اور وہ راستہ بنا کر قطرہ قطرہ بہہ کر اپنی راہ بنا رہا ہو۔"

سید علی گیلانی کی استقامت قابل داد ہے' مگر ایک حقیقت پسند شخص کی طرح انہوں نے بطور انسان اپنی بشری کمزوریوں کے ذکر سے دریغ نہیں کیا۔ بچوں اور اہل خانہ کی یاد آتی ہے تو مضطرب اور بے چین ہو جاتے ہیں۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بچے آکر ملتے ہیں تو انہیں بوسے دیتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے ہیں۔ تفتیشی مرکز میں پہلی بار لائے جانے کے بعد تفتیش اور پوچھ گچھ کا مرحلہ آتا ہے تو احساس گھبراہٹ کا اعتراف کرتے ہیں ---- یوں انہوں نے اپنے حقیقی جذبات کو چھپایا نہیں اور نہ ان کے اظہار میں کسی طرح کی بناوٹ سے کام لیا ہے۔

اردو' سید علی گیلانی کی مادری زبان نہیں ہے' مگر انہوں نے حیرت انگیز حد تک اپنے مافی الضمیر کو صاف و صریح اور صحیح زبان میں بیان کیا ہے' بلکہ ان کی بیانیہ نثر کا اسلوب' مصنف کے پختہ ادبی ذوق کا پتا دیتا ہے۔ بہت سے مقامات پر قاری کو شاعرانہ اور رومانوی نثر کے ٹکڑے ملتے ہیں۔ مثلاً : صفحہ ۳۸ ' ۶۵' ۶۷ وغیرہ۔ قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے حوالوں اور برجستہ اشعار کے بکثرت استعمال سے سید گیلانی کے وسیع مطالعے اور قابل رشک حافظے کا اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کے جملہ ۴۳' اجزا کا آغاز کسی نہ کسی شعر سے ہوتا ہے۔ پھر ہر جزو کے اندر موقع محل کے مطابق اردو اور فارسی کے کثیر اشعار قاری کو "غبار خاطر" کی یاد دلاتے ہیں۔

"روداد قفس" محض ایک فرد کی آپ بیتی نہیں، ایک تحریک کی داستان، اور ایک جدوجہد کی کہانی ہے ـــــ اردو کے جیلیاتی ادب میں یہ ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ خوبصورت کتاب اعلیٰ معیار کتابت و طباعت سے شائع کی گئی ہے، اور ناشر کے اعلان کے مطابق عنقریب اس کا دوسرا حصہ بھی شائع ہوگا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

بانگ سحر: از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ مرتبہ: خلیل الحامدی۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور۔ تقسیم: [illegible] منشورات، منصورہ، لاہور۔ صفحات ۳۴۴۔ قیمت درج نہیں۔

یہ سید ابوالاعلیٰؒ کی نگارشات ہیں جو نہ صرف اعلیٰ درجے کی بااصول صحافت کا نمونہ ہیں اور حسن ادبیت لفظ لفظ سے پھوٹا پڑتا ہے، بلکہ نہایت توجہ طلب چیز یہ ہے کہ مولانا کی صحافیانہ کاوشیں علم، معلومات اور استدلال سے اس قدر آراستہ ہوتی ہیں جیسے کوئی شخص مقالہ لکھنے چلا ہو۔ آج کل کے سرسری قسم کے اداریات اور خصوصی کالم اور بھرتی کے مضامین دیکھ کر آدمی کا سر پھر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم حضرات کے اخباری اداریوں یا مضامین یا کالموں کے مجموعے دس سال بعد بھی قیمتی دستاویزیں معلوم ہوں۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ گویا مولانا مودودیؒ جو اکثر تحریریں خاص مطالعہ و کاوش کے بعد ہی لکھتے تھے، ان کی کتاب "بانگ سحر" (صدائے رستاخیز کی طرح) مقامات و احوال کے ایک وسیع نقشے میں کھڑا کر دیتی ہے، اور آپ ایک طرف مغربی شہنشاہیت کی سیادی اقوام، دوسری طرف مسلم اقوام کی طرف سے ان کے خلاف جہادی ردعمل، پھر صیاد کے عالم اسلام پر اچھی طرح پنجے گاڑ لینے کے بعد مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے، غیر اسلامی قوم پرستی ابھارنے، ان کے حصے بخرے کرنے، اور پھر شکاریوں کے آپس میں بٹوارے کے وحشیانہ کھیل کو دیکھتے ہیں۔ ادھر ہندوستان میں یہاں کی خلافتی، کانگریسی اور مسلم لیگی سیاست کے جائزے میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کی شرارتوں کو دیکھتے ہیں جو اسی زمانے سے یہ اندیشہ رکھتے تھے کہ مسلمان افغانستان سے مل کر آگے بڑھیں گے اور ایک خوفناک طاقت بن جائیں گے، لہٰذا حکومت، صوبہ سرحد کی مسلم اکثریت کو خاص اپنے گھٹنوں تلے دبا کر رکھے۔ بیچ بیچ میں مذہبی مسائل، مثلاً شریف کے بعد سعود کا اکابر عالم اسلامی کی نگرانی میں اکابر عرب کی مشاورت کا پابند ہو کر اقتدار کو سنبھالنا مگر اس وعدے سے انحراف، نکاح و طلاق کی لازمی رجسٹریشن کا قانون بنوانے کی حرکت، حج کے انتظامات اور مصارف کے سلسلے میں والی حجاز سے معلومات حاصل کرنے کے لیے کوششیں، یا مثلاً ایک موقع پر شعبان کے متعلق نوٹ لکھنے کے دوران میں شب برات پر

توجہ' پھر اس سلسلے میں آتش بازی کی رسم' یہ ایسا قصہ ہے کہ چند سطریں نقل کرنی ہی پڑیں گی :

مسلمان جنھیں مذہب سے بے گانگی اور عقلی و ذہنی انحطاط نے پرلے درجے کا زیاں کار بنا دیا ہے' اس مبارک مہینے کا مدعا صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں انار' پھلجھڑیاں' پٹاخے اور حقے چھوڑے جائیں اور چودھویں تاریخ کو قسم قسم کے میٹھے کھانے کی نیاز دے دی جائے' شب برات کے دن بچوں کو آتش بازی منگا دینا ایسا فرض سمجھا جاتا ہے کہ خدا کا حکم ٹل جائے تو پروا نہیں' مگر یہ رسم نہ ٹلے۔ بڑے بوڑھے اپنے چھوٹوں کو یہ دنیا اور دین کی آگ کا تحفہ بھیجنا شفقت بزرگانہ کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں۔ ... جب وہ مبارک رات آتی ہے تو آتش بازی کے مقابلے ہوتے ہیں۔ شہروں کے باہر نہایت کثرت سے غول کے غول جمع ہوتے ہیں (اب تو شہروں کے اندر ہی سب کچھ ہوتا ہے) اور بڑی دھوم دھام سے آگ کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔

اس کے بعد اس مہینے کی سعادتیں اور برکتیں اور اس کے متعلق احادیث کا مدعا پیش کیا گیا ہے۔

اوپر کے اس پیرے کو ملاحظہ فرما کر نوٹ کر لیجیے کہ نہ تو ۲۳ سالہ نوجوان (مودودیؒ) کے استعمال شدہ الفاظ میں سے کوئی لفظ متروک ہوا اور نہ اس مربوط و مدلل بیان کا انداز ۱۹۷۹ تک بدلا۔

مسائل حجاز میں "زمیندار" کا مسلک --- غلطی اور غلطی پر اصرار --- ۲۸۷ سے ۳۰۹ صفحے تک پھیلی ہوئی اس بحث میں اس وقت کے وہ مسائل زیر بحث آتے ہیں جو قبے گرانے کے واقعات سے متعلق ہیں۔ سیاسی احوال بھی شامل ہیں اور دینی مسائل بھی۔ حجاز اور جگہ بھی زیر بحث آیا ہے۔

ایک اور بڑا دلچسپ اور اہم مضمون ہے : انگورہ کا مقدمہ سازش (انور پاشا پر ناپاک اتہامات)۔ یہ مضمون بھی ۳۳۵ سے ۳۴۷ تک پھیلا ہوا ہے' مگر بہت معلومات آفریں۔ انور پاشا اسلامی جہاد کی اسپرٹ سے معرکہ آرا رہ کر فتح ترکیہ کے بعد مجرم قرار پایا۔ تاریخ میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جان لڑاتے ہیں خدا پرست اور ان کو آخری وقت پر دھکیل کر آگے آ جاتے ہیں سیکولرسٹ۔

مضامین کی لمبی فہرست ہے۔ کتاب پڑھیں گے تو ماضی قریب کی تاریخ کا اہم باب فلم کی طرح نظر سے گزرنے لگے گا۔ بس ناول کی طرح قاری کھو جاتا ہے۔ ادب' تاریخ' صحافت اور

مولانا مودودیؒ کے متعلق تحقیق کرنے والے حضرات کے لیے گراں بہا تحفہ ہے۔

صرف ایک بات عام نظر سے کھٹکی۔ مولانا کے لیے "مفتی آتش نفس" کے الفاظ ذم کا پہلو رکھتے ہیں۔ (نعیم صدیقی)

ماہنامہ "الرشید" کا نعت نمبر: مدیر عبدالرشید ارشد۔ ناشر: مکتبہ رشیدیہ، ۲۵ لوئر مال لاہور۔ صفحات، جلد اول ۷۳۵، جلد دوم ۷۴۸

اس بہت بڑے اور دل کش نمبر کی تیاری میں یوں تو مجلس ادارت کے صدر، ناظم نشرواشاعت اور مدیران انتظام کا تعاون مدیر مسئول کو حاصل تھا ہی، مگر نعت نگاروں کی فہرست کی تیاری، نعتوں کا انتخاب، پھر اس کی ترتیب، خصوصاً عربی زبان کے ذخیرۂ نعت کے انگوروں کو تو خوب نچوڑا گیا ہے، پھر ان کا موثر ترجمہ، اسی طرح فارسی نعتوں کے چمن زار پر نگاہ ڈالی کہ بہترین گل ویاسمن کے پھول سمیٹنا ایسا بھاری کام تھا جو شاید عرصہ دراز سے ساتھ ساتھ متفرق طور پر ہوتا رہا ہوگا۔

ذرا اندازہ کیجیے اس نمبر کی وسیع دامانی کا کہ ۳۴۷ حضرات کے نعتیہ مرجان و یاقوت یکجا سمیٹ لیے گئے ہیں۔ جملہ مندرجات بہ روئے فہرست (ضمیمہ بہ آخر جلد دوم) ۱۴۶۳ صفحات پر آئے ہیں۔ مرتب نے اشارہ کیا ہے کہ ۶۳ کا عدد حضورؐ کی عمر مبارک کے لیے تلمیح ہے، یا اسے تفاؤل کہہ لیجیے۔

یہ بات تو خیر واضح ہے ہی کہ نعت کا مرکزی نقطہ محبت جناب خیرالبشرؐ ہے۔ ایمان بالرسولؐ محبت رسولؐ اور اطاعت رسولؐ ہی کے پیرایہ ہائے بیان سے نعت نمودار ہوتی ہے۔ جہاں معاملہ ایمان کا آجاتا ہے، آدمی ایک دائرہ تقدس میں داخل ہو جاتا ہے۔ بنا بریں شاعری کی دوسری آزاد اصناف کے بالمقابل، یہاں کی پابندیاں اور احتیاطیں کچھ اور ہی معیار رکھتی ہیں۔ لفظوں کا انتخاب، تراکیب اور تشبیہیں، محاورات اور ضرب الامثال، خیالات، امیدوں، آرزوؤں اور جذبوں کی مروجہ اشکال سب کی چھانٹ پرکھ بڑے کڑے طریق سے ہوتی ہے۔ تعلی کے بجائے گنہ گاری و شرمساری کے احساسات ابھر آتے ہیں اور پیغمبرؐ کی شفاعت مطلوب قرار پاتی ہے۔

نعت ہمارے اندر اچھے جذبات کو ابھارنے، خدا و رسولؐ کی طرف رجوع کرنے، اپنے گناہوں اور غلط کاریوں کے شعور کے ساتھ اصلاح کا رجحان ابھارنے کا ایک موثر ذریعہ ہے اور جو لوگ بھی یہ خدمت کر رہے ہیں وہ بڑے قابل قدر ہیں۔

"الرشید" کا نعت نمبر کہاں کہاں سے نعت گوؤں کے گلہائے عقیدت و محبت کو ڈھونڈ کر اور پھر انھیں گلدستے کی شکل میں سجا سنوار کر لایا ہے۔ اس کے لیے ساری قوم کو جناب عبد الرشید ارشد صاحب کا' اور ان کی مجلس ادارت اور مجلس مشاورت کا ممنون ہونا چاہیے۔

مشورہ یہ ہے کہ آئندہ کسی اشاعت میں شعرا کی فہرستیں دونوں حصوں کے آغاز میں (اور نام' ابجدی ترتیب سے درج ہوں) دی جائیں' نیز نعت کی اصل روح' اس کے مختلف ادوار اور فنی محاسن' خصوصاً نعت میں خیالات اور مواد اور کسی قدر ہیئت کے لحاظ سے جو تبدیلیاں آتی رہی ہیں' ان کو واضح کیا جانا چاہیے تھا۔ علی الخصوص مختلف تاریخی حادثات یا مسائل کی عکاسی نعت میں جس طرح سے کی جاتی رہی ہے' مثلاً بغداد کی تباہی سے متعلق شیخ سعدیؒ کا مرثیہ "آسمان را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمیں" بلکہ زیادہ اہم وہ نعتیہ شعر ہے اور نظم' جس کا ایک مصرع کچھ یوں ہے: "اے کہ بہ سرا پردۂ یثرب بخواب" ' اقبال کا طرابلس کے حوادث پر کہنا کہ: "طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں" اور پھر اپنے قلب کے آبگینے میں اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کرنا۔ حالی کی "خاصۂ خاصانِ رُسل..." میرے قلم سے عدنان مندریس (ترکی) کی پھانسی کے واقعے پر فریاد کے انداز میں لکھی ہوئی ایک نعتیہ نظم میں: "حضورؐ! آپ کے منبر سے موجِ خوں گزری" اور آخر میں ایک شعر: "اب ان درندوں سے ممکن نجات ہے کہ نہیں: حضورؐ کوئی امید حیات ہے کہ نہیں؟" یا جہاد ستمبر ۱۹۶۵ء کے سلسلے میں نعت کا ایک شعر: "ہم گنہ گار شیدائیوں کی طرف ایک نظر سرورِ دوجہاںؐ دیکھیے: مشکلیں دیکھیے' آفتیں دیکھیے' ابتلا دیکھیے' امتحاں دیکھیے۔" (اپنے اشعار شامل کرنے پر معذرت)۔

ایسی چیزیں اس مجموعہ نعت (خاص نمبر) میں موجود ہیں' مگر کسی مضمون یا مقالے کے ذریعے ایسے اور بعض دوسرے قابل بحث پہلوؤں کو نمایاں نہیں کیا گیا۔ میں تو ایسے قیمتی سرمایۂ نعت کو دیکھ کر دل میں سوچتا ہوں: "کہ ماشایانِ شان تو نہ بودیم۔" ہمارے غیر مسلم بھائیوں اور مسلم خواتین کی نعتیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

خدا تعالیٰ اس نتیجۂ محنت و صرفِ زر کو قبول فرما کر لائبریریوں' اساتذہ' اہل سیاست اور نوجوان طلبہ و طالبات' نیز مصنفین و شعرا کے حلقوں میں مقبول بنائے۔ (نعیم صدیقی)

نقوش حقانی: از حافظ محمد ابراہیم فانی۔ ناشر: دارالعلوم حقانیہ' اکوڑہ خٹک' نوشہرہ۔ صفحات ۱۸۲ قیمت درج نہیں۔

یہ کتاب دارالعلوم کے مؤتمرالمصنفین کے ادارۃ العلم والتحقیق کے ڈائریکٹر مولانا عبدالقیوم حقانی کی شخصیت اور تصانیف کے تعارف پر مشتمل ہے۔ مولانا کی خوش قسمتی ہے کہ زندگی ہی میں ان کی شخصیت کتاب کا موضوع بن گئی ہے۔ مؤلف نے ان کے حالات' ان کے علم' ان کی خطابت اور ان کی تصانیف کے بارے میں نہ صرف اپنے تاثرات بلکہ ان کے اساتذہ اور رفقا کے تاثرات' اور کتب پر تبصرے اور خطوط سب یکجا کردیے ہیں۔ کتب کے بعض اقتباسات سے قاری براہ راست بھی استفادہ کرلیتا ہے۔ (مسلم سجاد)

۱- تفسیری و حدیثی خدمات ۲- مولفین صحاح ستہ ۳- سیرۃ ائمہ اربعہ : از
عبدالرشید عراقی سوہدری۔ ناشر: جامعہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ۔

۸۶' ۹۲ اور ۴۸ صفحات کے یہ کتابچے دینی مدارس میں شعبہ تصنیف تالیف کے قیام اور اشاعتی سرگرمیوں کے رجحان کے آئینہ دار ہیں۔ پہلے میں' برِاعظم پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث کی تفسیری و حدیثی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے میں' امام مالکؒ' امام بخاریؒ' امام مسلمؒ' امام ابوداوٗدؒ' امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ کے حالات زندگی اور ان کی علمی خدمات کا تذکرہ ہے۔ یہ بھی علم میں آیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اہلحدیث تھے۔ تیسرے میں امام ابوحنیفہؒ' امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ پر مختصر معلوماتی مضامین ہیں جو "ترجمان القرآن" میں شائع ہو چکے ہیں۔ (مسلم سجاد)

وضاحت

۱- ترجمان القرآن میں ترجیحاً دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔
۲- تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔
۳- تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔

REGD. NO. L 5340

PHONE : 7234014 7236665

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE